ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

شوال المکرم ۱۴۱۶ھ
مارچ ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہم یہ نہیں کہ آپ کیا کھاتے ہیں

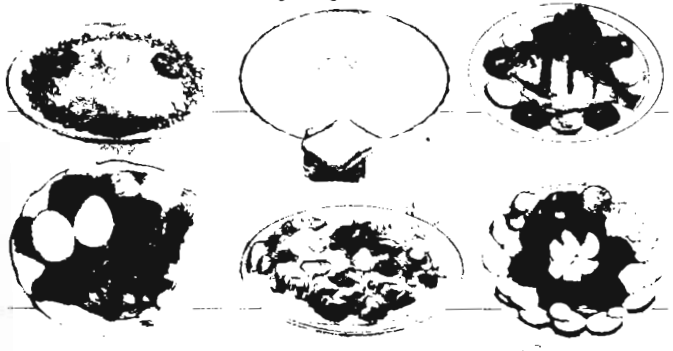

بلکہ اہم یہ ہے کہ

آپ کتنا ہضم کرتے ہیں

زندہ رہنے کے لیے غذا بنیادی ضرورت سہی لیکن اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ آپ جو کچھ بھی کھاتے ہیں کیا وہ صحیح طور پر ہضم ہو کر جزو بدن بھی ہوتا ہے؟ صحت مند رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کا نظام ہضم درست رہے۔ کھانے پینے میں احتیاط سے کام لیجیے۔ زود ہضم اور سادہ غذا کھائیے۔ وقت بے وقت کھانے پینے اور پُرخوری سے پرہیز کیجیے۔ اور اگر ہاضمہ خراب ہو جائے تو اس کی اصلاح کے لیے فوری نئی کارمینا استعمال کیجیے۔ ہمدرد کی نئی کارمینا تیزابیت اور گیس کے مریضوں کے لیے بھی بے ضرر اور یکساں مفید ہے۔

خوش ذائقہ **نئی کارمینا**

معدے کو تقویت دے کر نظام ہضم کی کارکردگی کو بہتر بناتی ہے۔

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

شوال المکرم ۱۴۱۶ھ ، مارچ ۱۹۹۶ء ، جلد ۷ ، شمارہ ۳ قیمت/ ۱۲ روپے

زیر سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

مجلس ادارت

رئیس التحریر :

سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول :

سید محمد کفیل بخاری

رُفقاءِ فکر

مولانا محمد عبد الحق مدظلہ

حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ

ذوالکفل بخاری ٭ قمر الحسنین

شمس الاسلام بہاری ٭ ابوسفیان تائب

محمد عمر فاروق ٭ عبد اللطیف خالد

خادم حسین سید خالد مسعود

زر تعاون سالانہ

اندرون ملک/ ۱۲۰ روپے ٭ بیرون ملک/ ۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ

دارِ بنی ہاشم ، مہربان کالونی ، ملتان ۔ فون : ۵۱۱۹۶۱

تحریک تحفظ ختم نبوّت (شعبۂ تبلیغ) مجلس احرار اسلام پاکستان

ناشر : سید محمد کفیل بخاری ، طابع : تشکیل احمد اختر ، مطبع : تشکیل نو پرنٹرز ، مقام اشاعت : دارِ بنی ہاشم ملتان

آئینہ

دل کی بات:	اداریہ	مدیر	۳
بازگشت:	اور مارشل لاء نافذ کر دیا گیا......	سید عطاء المحسن بخاری	۷
سیرت صحابہ:	سیدنا ابودرداؓ	شاہ بلیغ الدین	۱۱
تحقیق:	ملتِ اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ اور اقبال	پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد	۱۳
قلم برداشتہ:	اسلام کا قلعہ	سید عطاء المحسن بخاری	۱۸
مقالۂ خصوصی:	جمہوریت ایک فتنہ و فراڈ	حکیم محمود احمد ظفر	۲۰
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات انکی	ساغر اقبالی	۳۰
کھلا خط:	مولانا ابوریحان عبدالغفور بنام ماسٹر محمد امین		۳۳
ماضی کے جھروکے سے:	تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء	محمد یعقوب اختر	۴۵
آٹو گراف:	(اکابر کے عکس تحریر کا نیا سلسلہ)	ادارہ	۵۰
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	ادارہ	۵۴
مراسلات:	کامیابی و کامرانی کے راستے	مجاھد الرحمن مفتی	۵۱
""	آزادی کے اڑتالیس سال	عامر عثمان	۵۲
ترحیم:	مسافرینِ آخرت	ادارہ	۵۷
نظم	امروز و فردا	سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ	۵۸
سلام	بنام شہداءِ ختم نبوت	آغا شورش کاشمیری مرحوم	۵۹
نظم	بیادِ شہداءِ ختم نبوت	محمد عارف سجاد	۶۰
نظم	شہداءِ ختم نبوت کے نام	اکرام الحق سرشار	۶۱
نظم	استاد جی نے سب کو مرغا بنا کے چھوڑا	پروفیسر محمد اکرام تائب	۶۲
"	دنیا نے دیکھ لی ہے ہماری چلن کی بات	حفیظ رضا پسروری	۵۶

دل کی بات

مخلوط انتخابات کا فیصلہ

وفاقی کابینہ نے نئی انتخابی اصلاحات کے ذریعہ مخلوط طرز انتخاب اور اقلیتوں کو دوہرے ووٹ کا حق دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جب سے موجودہ حکومت برسر اقتدار آئی ہے اپنے اقدامات کے ذریعہ مسلسل سیکولر ازم کی طرف بڑھ رہی ہے۔ بانئ پاکستان جناب محمد علی جناح نے جداگانہ انتخاب کے ذریعہ ہی برصغیر کے مسلمانوں کو حقوق دلوانے کی جنگ کی تھی اور دو قومی نظریہ پیش کیا تھا مگر آج انہی کے نام لیوا حکمرانوں اور بزعم خود ان کے جانشینوں نے وہی دو قومی نظریہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جداگانہ انتخاب پاکستان کی بنیاد ہے اور حکومت نے اسی بنیاد کو مسمار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بے شرمی کی حد یہ ہے کہ ایک وفاقی وزیر نے اپنے اخباری بیان میں کہا کہ "یہ فیصلہ قائداعظم کے نظریہ و اصول کے عین مطابق ہے۔" اگر یہ درست ہے تو پھر پاکستان کس لئے بنایا تھا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اقدام پاکستان کا نظریاتی تشخص ختم کر کے اسے سیکولر سٹیٹ بنانے کی گھناؤنی اور غیر ملکی سازش ہے جس کی تکمیل موجودہ حکمرانوں کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ اس طرزِ انتخاب سے اقلیتیں انتشار کا شکار ہوں گی اور اپنے حقوق کا صحیح تحفظ نہ کر سکیں گی۔

اس بات کو تو خود اقلیتیں بھی تسلیم کرتی ہیں کہ ان کے حقوق کا تحفظ جداگانہ طرزِ انتخاب میں ہے۔ اور منصوص نشستوں کے ذریعہ انہیں جو حقوق حاصل ہوئے ہیں اور جو مناصب عطاء ہوئے ہیں وہ دوسرے طریقہ سے نہیں ہوئے۔

علاوہ ازیں انتخابی اصلاحات کے ذریعہ شناختی کارڈ کی پابندی ختم کرنے اور سیاسی جماعتوں کو انتخابی مہم کے اشتہارات پر ایک کروڑ روپیہ خرچ کرنے کی اجازت دینے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ نئی انتخابی اصلاحات ملک و قوم کے لئے تباہ کن ہیں۔

۱۔ مخلوط انتخابات سے پاکستان کا نظریاتی تشخص ختم ہو گا۔

۲۔ شناختی کارڈ کی پابندی کے خاتمہ سے دھاندلی کا دروازہ کھلے گا۔

۳۔ اور سیاسی جماعتوں کو اشتہارات پر ایک کروڑ روپیہ خرچ کرنے اجازت دینے سے انتخاب صرف جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا مشغلہ بن کر رہ جائے گا۔

چھوٹی جماعتوں اور غریب آدمی کے لئے انتخاب میں حصہ لینا ناممکن ہو جائے گا دو جماعتی نظام رائج کرنے کی راہ ہموار ہو گی اور یہی امریکہ کی خواہش و آرزو ہے جس کی تکمیل کے لئے موجودہ حکومت سرگرم ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت ان اصلاحات کو واپس لے اور ممبرانِ قومی اسمبلی ان کو مسترد کر دیں۔

قادیانی غیر مسلم ہیں۔ جنوبی افریقہ کی عدالت عظمیٰ کا فیصلہ:

شکست و ذلت قادیانیوں کا مقدر ہے۔ پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد قادیان مسلسل اس کوشش میں رہے کہ عالمی سطح پر وہ مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلہ کو کالعدم قرار دلوائیں۔ انہوں نے مختلف فورمز پر یہ کوشش بھی کی مگر الحمدللہ انہیں ہر فورم اور ہر محاذ پر ذلت و پسپائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ گزشتہ ماہ جنوبی افریقہ میں اسی قسم کے ایک مشہور مقدمہ کے فیصلہ نے بھی ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ تفصیلات کے مطابق۔

جنوبی افریقہ کی سب سے بڑی عدالت کے فل بینچ نے قادیانیوں کو مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے قادیانیوں کے خلاف تاریخی فیصلہ دیدیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن میں مقیم قلیل تعداد میں قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمان تسلیم کرانے اور وہاں کی مساجد میں زبردستی داخل ہونے اور مسلمانوں کے قبرستان میں قادیانیوں کو دفن کرانے کی کوشش کی، جس پر کیپ ٹاؤن کی تمام مساجد کے آئمہ اور علماء پر مشتمل مسلم جوڈیشل کونسل نے قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ حال ہی میں قادیانیوں نے اس کے خلاف کیپ ٹاؤن کی عدالت عالیہ میں مقدمہ دائر کر دیا، جس میں بنیادی حقوق کا سہارا لے کر مطالبہ کیا گیا کہ عدالت ان کو مساجد میں داخلہ، مدارس سے استفادہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کے حقوق دلائے۔ جس پر کیپ ٹاؤن کی عدالت عالیہ نے فیصلہ صادر کر دیا کہ قادیانی (احمدی لاہوری) چونکہ مسلمان ہیں لہذا ان کے مسلم حقوق بحال کئے جائیں۔ مسلمانوں نے عدالت کے اس فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے اس کے خلاف عدالت عظمیٰ میں اپیل دائر کر دی۔ یہ مقدمہ عدالت عظمیٰ کے پانچ ججوں پر مشتمل فل بینچ کے سامنے پیش ہوا اور اس کی طویل سماعت کے بعد عدالت عالیہ کی طرف سے قادیانیوں کو مسلم قرار دینے کے فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے واضح کیا کہ کسی کمیونٹی کے مذہبی عقائد کے بارے میں فیصلہ خود کمیونٹی کے علماء اور ماہرین عقائد ہی کر سکتے ہیں جو اس عقیدہ کے محافظ اور امین ہیں۔ سیکولر یا دنیاوی عدالت کے لئے غیر موزوں ہے کہ وہ فیصلہ صادر کرے کہ کون مسلمان ہے کون مرتد ہے۔ کسی فرد کو مذہب کے دائرہ سے خارج کرنے کا حق بھی علماء کو حاصل ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے اس مقدمہ کی پیروی جنوبی افریقہ کے مشہور وکیل اسماعیل محمد اور اٹارنی احمد چوہان نے کی جبکہ ان کی معاونت اور گواہ کے طور پر سینیٹر پروفیسر خورشید احمد، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈاکٹر محمود احمد غازی کے علاوہ جسٹس محمد افضل چیمہ، جسٹس محمد تقی عثمانی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور ڈاکٹر حبیب الحق ندوی نے کی۔

(خبریں لاہور ۲۸ فروری ۱۹۹۶ء)

اس مقدمہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والے مذکورہ علماء اور قانونی ماہرین کو ہم مبارکباد پیش

کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی قبول فرمائے، اجر عظیم عطاء فرمائے اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت و رضاء نصیب فرمائے (آمین)

اس کے ساتھ ساتھ قادیانیوں سے بھی گزارش کرتے ہیں کہ وہ اب اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا ترک کردیں اور اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کر کے اپنے حقوق حاصل کریں۔

حالیہ فوجی بغاوت اور مرزا طاہر کی لگڑوں کوں:

قادیانیوں کے سربراہ مرزا طاہر نے لندن میں کادیانی جماعت کے عہدیداروں کے ایک اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"ستمبر ۹۵ء کی فوجی بغاوت کی ناکامی کا سہرا ان کی جماعت کے سر ہے بغاوت کامیاب ہو جاتی تو احمدیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ ہم نے مولویوں کی بے احتیاطی سے اس سازش کا سراغ لگا کر اسے ناکام بنا دیا۔ ۹۶ء کے پہلے چار ماہ میں ہمارے لئے خوشخبریاں ہی خوشخبریاں ہیں۔" (نوائے وقت ملتان ۳ مارچ ۱۹۹۶ء)

مرزا صاحب کا طریقہ واردات کوئی نیا نہیں کذب وافترا اور دجل اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔ مرزا غلام قادیانی آنجہان لعنہ اللہ علیہ سے لیکر موجودہ مرزا تک سب کی ایک ہی "لگڑوں کوں" ہے۔ جب بھی کوئی اہم واقعہ یا حادثہ ظہور پذیر ہوتا ہے یہ اس کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر پہلے معلوم ہو یعنی اس سازش میں شریک ہوں تو پیشگوئی کر کے اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عموماً اس قسم سازشوں، حادثوں اور واقعات کے پس منظر میں یہی خبیث گروہ سرگرم ہوتا ہے۔ مرزا طاہر کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے اصل ذمہ دار فوج میں موجود قادیانی ہیں جنہوں نے سازش کر کے اپنا مدعا دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیا۔ تاریخی طور پر یہ ممکن نہیں کہ جس بات پر قادیانی خوش ہوں اس کے پیچھے ان کی سازش نہ ہو۔ لہذا حکومت کو اس رخ پر بھی تفتیش کرنی چاہیئے کہ فوج میں موجود قادیانیوں کا اس مقدمہ کے ساتھ کتنا تعلق ہے؟ ہمارا یقین ہے کہ "کھُرا" ربوہ میں ہی نکلے گا اور بے گناہ بری ہو جائیں گے۔ اس وقت فوجی بغاوت کیس عدالت میں زیر سماعت ہے اس لئے اس پر گفتگو مناسب نہیں لیکن مرزا طاہر اطمینان رکھیں کہ اس سال بھی ان کے لئے کوئی خوشخبری نہیں وہ ان شاء اللہ ذلت ورسوائی اور دائمی زوال سے دوچار ہوں گے۔ ان کی اس پیش گوئی کا حشر بھی ان کے جد امجد مرزا غلام قادیانی آنجہانی علیہ العنتہ کی پیشگوئیوں جیسا ہوگا۔

شہداءِ ختم نبوت کی یاد

قیام پاکستان کے فوراً بعد مرزائیوں نے ایک گھناؤنا خواب دیکھا تھا کہ "پاکستان مرزائی اسٹیٹ بن جائے گی" اس گروہ خبیث نے اپنے خواب کی تکمیل کے لئے بلوچستان کو خاص طور پر اپنی سازشوں کا مرکز بنایا اور مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ ان سازشوں کا پشتیبان تھا۔ مجلس احرار اسلام جو ۱۹۳۰ء سے ان کے تعاقب میں ایک جہد مسلسل میں مصروف تھی نے اس موقع پر بھی اپنا دینی و قومی فریضہ سرانجام دیا۔ بانیٔ احرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر تمام اکابر احرار نے پاکستان کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں کو جمع کر کے اس خطرہ سے آگاہ کیا اور آل پارٹیز مجلس عمل قائم کر کے تحریک تحفظ ختم نبوت برپا کر دی۔ خواجہ ناظم الدین اور دولتانہ نے تحریک کو کچلنے کی بھرپور کوشش کی اور منہ کی کھائی۔ حتیٰ کہ ڈائرکٹ جنرل اعظم خان آنجہانی نے مارشل لاء لگا کر دس ہزار فدائین ختم نبوت کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ اور پھر بعد میں بدنام زمانہ جسٹس منیر نے انکوائری کمیشن میں قادیانیت نوازی کی رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ مگر..... تحریک زندہ رہی، اس کو کچلنے والے اور کسی بھی انداز میں اس کی مخالفت کرنے والے تاریخ کا ذلیل ترین کردار بن گئے۔ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ، ۱۹۸۴ء میں امتناعِ قادیانیت کا آرڈیننس کا اجراء، پاکستان سے مرزا طاہر کا فرار، ربوہ میں مسلمانوں کی پہلی مسجد۔ جامع مسجد احرار کا قیام اور اب جنوبی افریقہ کی عدالتِ عظمیٰ کا فیصلہ یہ سب فتوحات انہی شہداءِ ختم نبوت کی بے مثال قربانیوں اور خونِ بے گناہی کا ثمر ہے۔

۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۹۲ء کو مسجد احرار ربوہ میں شہداء ختم نبوت کی یاد میں اٹھارہویں سالانہ شہداء ختم نبوت کانفرنس منعقد ہو رہی۔ سرفروشانِ احرار، امت کے ان محسنوں کے تذکرہ سے اپنے ایمانوں کو منور کریں گے۔ یاد منانا دراصل لہو گرم رکھنے کا اک بہانہ ہوتا ہے..... اسی لئے

یاد ہم تم کو شہیدانِ نبی کرتے ہیں

اور

حرم کی عزت پہ کٹنے والوں کے نقش پا کو سلام پہنچے

تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ ۲۱ مارچ کو مسجد احرار ربوہ پہنچیں اور شہداءِ ختم نبوت کی یاد میں جمع ہو کر تحفظ ختم نبوت کے لئے تجدید عہد کریں۔

☆ ☆

بازگشت

سید عطاء المحسن بخاری

.....اور مارشل لاء نافذ کر دیا گیا!

مرحوم استاد دامن نے کہا تھا

ساڈے دیس چ موجاں ای موجاں
جدھر ویکھو فوجاں ای فوجاں

استاد کا اشارہ "ضیاء الحقی مارشل لاء" کی طرف تھا۔ اس سے پہلے وہ ایوب خانی اور یحیٰ خانی مارشل لاؤں کا ذکر بھی..... "جی او میریا ڈھول سپاہیا!" کہہ کر کر چکے تھے۔ اسلئے مارشل لاء کا ذکر جب بھی آتا ہے، ہمیں موجیں مارتی ہوئی فوجیں، بندے مارتے ہوئے ڈھول سپاہی، جھک مارتے ہوئے سیاست دان اور بہت کچھ..... یاد آجاتا ہے۔ ہمیں پاکستان کا پہلا مارشل لاء یاد آجاتا ہے۔ ۱۹۵۳ء کے خونیں ایام یاد آتے ہیں۔ جنرل اعظم خان، خواجہ ناظم الدین اور میاں ممتاز دولتانہ یاد آتے ہیں۔ پچھلے دنوں "خبریں" کی ایک اشاعت خاص (۱۴ ستمبر) میں، ڈاکٹر صفدر محمود کی طویل تحریر..... "اور مارشل لاء نافذ کر دیا گیا" شائع ہوئی تو ہمیں یہ سب کچھ بہت یاد آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ.....

"۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء کو میاں ممتاز دولتانہ اور ان کی کابینہ مستعفی ہو گئی جس کی دو وجوہ تھیں۔ ایک وجہ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ تھی جس نے خواجہ ناظم الدین اور میاں ممتاز دولتانہ کے مابین اختلافات کی خلیج کو وسیع تر کر دیا تھا۔ دوسری وجہ قادیانیوں کے خلاف تحریک تھی جسے عام طور پر "ختم نبوت تحریک" سمجھا جاتا ہے، اس تحریک نے پنجاب میں امن و امان کو بالکل ختم کر دیا تھا۔ اس کا اعصابی مرکز لاہور تھا۔ اور صوبائی دارالحکومت میں حالات پر قابو پانے کے لئے ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو مارشل لاء نافذ کر دیا گیا، جو مئی تک جاری رہا۔ یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ میاں ممتاز دولتانہ نے اس تحریک کا رُخ مرکزی حکومت کی طرف موڑنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی پاداش میں انہیں نہ صرف اپنے منصب کی قیمت ادا کرنی پڑی بلکہ اس سے خواجہ ناظم الدین کی برطرفی کی راہ بھی ہموار ہو گئی۔

اینٹی احمد یہ موومنٹ یا ختم نبوت تحریک کے نتیجے کے طور پر مارشل لاء کا لگنا بھی ایک طرح سے مسلم لیگ کی کمزوری کی علامت تھی کیونکہ اگر مسلم لیگ صحیح معنوں میں ایک عوامی اور منظم جماعت ہوتی تو صورتحال کو اس قدر بگڑنے نہ دیا جاتا کہ سول انتظامیہ بے بس ہو جاتی اور فوج کو نظم و نسق سنبھالنا پڑتا۔ دراصل ختم نبوت تحریک علماء نے شروع کی جو سمجھتے تھے کہ احمدی

مُرتد ہیں۔ وہ ظفر اللہ خان اور دوسرے احمدی افسران کے بڑھتے ہوئے اثر کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ تحریک کئی ماہ جاری رہی اور تقریباً ہر روز پانچ دس ہزار افراد سڑکوں پر احتجاج کرتے، سرکاری املاک کو آگ لگاتے اور تھانوں پر حملے کرتے۔ ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کے دن کئی دکانوں کو آگ لگا دی گئی اور لاہور کے اندرون شہر میں صورتحال نازک ہو گئی۔ جب تحریک اپنے عروج پر تھی تو دولتانہ صاحب نے بیان دے دیا کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اور ظفر اللہ خان کو ڈسمس کر دیا جائے، چنانچہ اسی دن مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ اس طرح پاکستان بننے کے بعد پہلی دفعہ فوج سیاست میں ملوث ہوئی۔ "پاکستان میں جمہوری عمل کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب تھی"

ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اخذ و ترتیب کا کمال تو ہو سکتا ہے، مشاہدہ اور بیانِ واقعہ نہیں۔ تحریک مقدس، تحفظ ختم نبوت کو "اینٹی احمدیہ موومنٹ" یا "احرار احمدی نزاع" کہنے والوں نے ہمیشہ اسی یک طرفہ نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے جسے تاریخ ہمیشہ کے لئے غلط ثابت کر چکی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں تحفظ ختم نبوت کا مطالبہ کرنے والے گردن زدنی تھے اور ۱۹۷۴ء میں سرافراز و ظفریاب؟ کاش، پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟

تحریک تحفظ ختم نبوت کو ممتاز دولتانہ کی سازش اور سازباز کہنا کوئی "اچھوتی بانگی" نہیں ہے۔ یہ مرزائیوں کا پرانا پروپیگنڈہ ہے۔ ورنہ یہ عجیب "سازش" تھی جو ناظم الدین کے ساتھ ساتھ دولتانہ کو بھی لے ڈوبی۔ حقیقت یہ ہے کہ سازش تو لیاقت علی خان کے قتل سے شروع ہو چکی تھی۔ ناظم الدین کا وزیر اعظم بنایا جانا بھی اسی سازش کا حصہ تھا۔ کیونکہ موصوف کے وزیر اعظم بنتے ہی.....ایک طرف تو

۱۔ تیل کے مسئلے پر ایران اور نہر سویز کے مسئلے پر مصر کی حمایت کی پالیسی ترک کر دی گئی۔ برطانیہ بہادر کی خوشنودی کی خاطر!

۲۔ امریکہ نے پاکستان کو امریکی گندم کی درآمد کے لئے ڈیڑھ کروڑ ڈالر کا قرض دینے کی پیش کش کر دی۔

.....اور دوسری طرف

۱۔ مشرقی پاکستان میں قومی زبان کے مسئلہ پر، پُرتشدد تحریک شروع ہو گئی۔

۲۔ کراچی میں طلباء ایجی ٹیشن کے ہنگامے شروع ہوئے اور پولیس کی فائرنگ سے ایک ہی دن میں سات طلبا ہلاک ہوئے۔

۳۔ سندھ میں صوبائی مسلم لیگ کے صدر ایوب کھوڑو نے وزیر اعظم کے خلاف بغاوت کر دی۔

۴۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ دولتانہ نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ کی مخالفت کی تو صوبے کی لیڈر شپ اور رائے عامہ کا ملّاں کی تائید میں تھی۔

۵۔ قادیانیوں کی تبلیغی، تنظیمی اور سیاسی سرگرمیاں خطرناک حد تک بڑھ گئیں۔ بلوچستان کو مرزائی ریاست بنانے کی "بشارت" عام تھی مرزائیوں نے وزیر خارجہ چودھری سر ظفر اللہ کی زیر سرپرستی ملکی اداروں میں اسی

قدر اثر و نفوذ حاصل کر لیا جتنا آج امریکہ میں یہودیوں کو حاصل ہے۔ کیا یہ سب دولتانہ کی سازش تھی؟ دولتانہ نے تو تحریک ختم نبوت کو تشدد سے کچلنا چاہا، لیکن آگ اور بھڑک اٹھی۔ راج سنگھاسن ڈولنے لگا تو وہ محتاط ہو گئے۔ بعد میں جب مارشل لاء لگایا گیا تو وہ بھی لیگی مرکز کے ایماء پر لگایا گیا تھا نہ کہ فوج کی خواہش اور دولتانہ کی کوشش سے! فوجیوں کو تو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ تحریک چلانے والے انڈیا کے حق میں ہیں یا پاکستان کو بچانے کے لئے سومنٹ چلا رہے ہیں۔ وہ تو یہ کہ کر گولی چلاتے تھے کہ "غدارو! کمینو! پاکستان دشمنو!" جب ان مارشل لائی افراد کو حقیقت حال کا علم ہوا تو انہوں نے گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ پھر پنجاب پولیس اور مرزائی افسروں نے مل کر گولیاں برسائیں اور جی بھر کے ناموس رسالت کے پروانوں کو بھونا۔ اور یہ سب کچھ مسلم لیگی جاگیرداروں نے کیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں خواجہ ناظم الدین کی "وزارت عظمیٰ" کیا کر رہی تھی؟ ۱۱ اگست ۵۲ء سے ۲۶ فروری ۵۳ء تک، خواجہ صاحب سے تحریک ختم نبوت کے راہنماؤں کی مسلسل ملاقاتیں رہیں۔ خواجہ کی تان اسی بات پر آ کر ٹوٹتی رہی کہ.....

"میں جانتا ہوں کہ اگر مجلس عمل کے مطالبات مان لوں تو سارے پاکستان میں پاپولر ہو جاؤں مگر مشکل یہ ہے کہ امریکہ سے جو معاملات طے ہوئے ہیں وہ خراب ہو جائیں گے۔ ظفر اللہ کو ہٹا دوں تو گندم کا ایک دانہ نہ ملے گا۔ تم لوگ میری مشکلات کو نہیں جانتے....."

لیکن خواجہ کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا کہ جو ظفر اللہ خاں آج اتنا مؤثر ہو گیا ہے وہ کل کو کیا کچھ نہ کر گزرے گا؟..... نتیجہ یہ نکلا کہ تحریک زور پکڑ گئی۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب "مارشل لاء سے مارشل لاء تک" کے مصنف سید نور احمد مرحوم (سابق ڈائریکٹر تعلقات عامہ پنجاب) کے بقول.....

"گورنر جنرل کے لئے فیصلہ کن قدم اٹھانے کا وقت آ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے ایک مہینے کے قریب انتظار کیا اور خواجہ ناظم الدین کو اس بات کی مہلت دی کہ وہ چند سیاسی فیصلے اپنی قلم سے کر جائیں۔ فیصلے یہ تھے۔

۱۔ دولتانہ سے کہا گیا کہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔ اور صوبائی مسلم لیگ کی صدارت بھی خالی کر دیں۔ ۲۔ ان کی جگہ مشرقی پاکستان کے گورنر ملک فیروز خان نون کو پنجاب کا وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ ۳۔ ملک فیروز خان کی جگہ مشرقی پاکستان کی گورنری پر چودھری خلیق الزماں کو فائز کر دیا گیا۔ ۴۔ ان فیصلوں کی کامیابی کی ضمانت کے طور پر دولتانہ سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ پنجاب اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی کے سامنے خود تجویز پیش کر کے اپنے جانشین کو پارٹی لیڈر منتخب کرائیں۔ اور پھر طویل عرصے کے لئے پاکستان سے باہر چلے جائیں۔ دولتانہ کو لاہور میں مارشل لاء کا ڈنڈا نظر آتا تھا۔ انہوں نے تمام احکام کی تعمیل کر دی۔ اور اپنے بال بچوں کو لے کر

یورپ کی سیر کو چلے گئے۔" (صفحہ ۴۰۹، ۴۱۰)

دولتانہ اور خواجہ ناظم الدین کی باہمی چپقلش اور آویزش کا جو نزلہ مسلم لیگ پر گرا سو گرا اس آویزش و سازش کا زیادہ اثر بد مسلمانوں کے عقائد پر پڑا۔ کیونکہ مسلم لیگی بزرجمہر بنیادی طور پر سیکولر اور لبرل تھے اس لئے عقائد کو قربان کرنا ان کے لئے بہت آسان تھا اور انہوں نے اسلامی عقائد قربان کر کے ہی مرزائیوں کو اقتدار کی ڈوری تھمادی تھی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب میں مرزائیوں نے اپنے اقتدار کے لئے مسلم لیگی سوراؤں کو اسی ڈوری سے نچایا۔ لوگوں نے اس نچانے والے کو بھی دیکھا اور ناچنے والوں کو بھی! مجلس احرار اسلام اس تماشے کو برداشت نہ کر سکی اور پاکستان کی تباہی و بربادی کو کھلی آنکھوں نہ سہہ سکی تو اس نے آل پارٹیز کنونشن بلایا۔ اس کنونشن میں مرکزی حکومت کے سامنے مسلمانوں کے متفقہ چار مطالبات رکھے گئے کہ

۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے الگ کیا جائے۔

۳۔ مرزائیوں کو کلیدی آسامیوں سے الگ کیا جائے۔

۴۔ ربوہ کی زمین پر مہاجروں کو آباد کیا جائے۔

مطالبات تسلیم نہ کئے جانے کی صورت میں تحریک چلائی گئی اور اس کی بنیاد انہی مطالبات پر رکھی گئی اور اس تحریک کا نام "تحریک تحفظ ختم نبوت" رکھا گیا! مسلم لیگی گوسفندوں نے اور مرزائی جتھہ بندوں نے اس مقدس تحریک کو "اینٹی احمدیہ موومنٹ" سمجھا جو کہ ڈاکٹر صفدر محمود نے بھی لکھنا پسند کیا۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے احرار کا نام لیتے ہوئے یوں قلم چھپا لیا۔ جیسے ہندو ستیاں اپنے دھرم پتی کا نام لیتے ہوئے جھجھ جاتی ہیں۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ "علماء سمجھتے تھے کہ احمدی مرتد ہیں" اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ بات لکھنے والا ابھی تک بندۂ بیگانہ ہے۔ ورنہ غلامانِ محمد ﷺ تو تمام کے تمام مرزائیوں کو مرتد ہی سمجھتے ہیں۔ "غیر مرتد" تو انہیں وہ مسلم لیگی ہی سمجھتے ہیں جن کے دروازے آج بھی ان کے لئے کھلے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان مرتدوں کو احمدی لکھا ہے حالانکہ تمام مسلمان انہیں "مرزائی اور قادیانی کہتے اور لکھتے ہیں۔ اور یہی ان کا آئینی نام اور شناخت ہے۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب سے ایک ہی گزارش ہے کہ خدارا تاریخ میں "اجتہاد" نہ فرمائیں۔ اگر انہوں نے جسٹس (ر) جاوید اقبال کے "اجتہادات" سے متاثر ہو کر اجتہاد فرمانا شروع کر دیا تو یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہو گی۔ البتہ وہ اگر علامہ اقبال کے شہابِ فکر کی روشنی میں کوئی رائے قائم کرنا پسند کریں تو بہت مناسب ہے۔!

☆ ☆

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کی زندگی

اللہ کے رسول ﷺ کے جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت ابودرداءؓ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر دوستوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے آپ اتنے رنجیدہ کیوں ہیں؟

حضرت ابودرداء نے فرمایا کہ ابھی ابھی ایک منظر دیکھا ہے روتا اس لئے ہوں کہ وہ منظر دیکھ کر مجھے بڑی عبرت ہوئی۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے درجے کے صحابی ہیں، صحابہ کرام ان کی بڑی عزت کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ انھیں اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو عالمانِ باعمل کہتے تھے۔

فرماتے تھے کہ مجالس میں ان کا تذکرہ کرو کہ ان کے تذکرے سے اخلاق سدھرتے ہیں۔ جب حضرت معاذ بن جبلؓ مرنے لگے تو بولے۔ جسے علم سیکھنا ہو ابودرداء سے سیکھے کہ ابودرداء کا علم اور ان کا تقوی جہل کے بہت سے امراض کو شفا بخشتا ہے۔

طبقات ابن سعد اور فتوح البدان میں ہے کہ وہ حافظ کلام اللہ تھے اور پورا قرآن انھوں نے آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے سن کے حفظ کیا تھا۔ حضرتِ عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انھیں گورنر بنانا چاہا تو انکار کر دیا۔

انھوں نے فرمایا کچھ تو کہیئے! جواب دیا۔ آپ مجھے پڑھنے پڑھانے میں لگا دیجئے! قرآن و حدیث کا درس دیا کروں گا۔ جامع دمشق میں وہ قرآن کا درس دیتے تو ایک ایک وقت میں سولہ سولہ سو طالب علم رہتے تھے۔ وہ منظر جو حضرت ابودرداءؓ نے دیکھا اور عبرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے، کوئی خاص نہیں۔ سبھی نے دیکھا ہوگا۔

دو بیل زمین پر بندھے بیٹھے تھے۔ ایک نے اٹھنا چاہا تو دوسرا بھی ساتھ اٹھ کھڑا ہو گیا۔

حضرت ابودرداء نے کہا، کاش ہمارے بھائی ایک دوسرے کی اتنی موافقت تو کریں جتنی بیل کرتے ہیں، تعلق کو نباہنا ایمان کی نشانی ہے۔

جنگ حنین کے بعد ایک خاتون آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں، آپ نے اپنی چادر بچھا کر انھیں بٹھایا غنیمت کے سامان میں سے ان کا سامان واپس کیا، بہت کچھ ان سے سلوک کیا، ان کا نام شیماؓ تھا۔ وہ دائی حلیہ کی بیٹی تھیں۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک بوڑھی خاتون حاضر ہوئیں، صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کی بڑی تواضع فرما رہے ہیں، تو منتظر رہے کہ آپ سے اس کی وجہ معلوم کریں، وہ

گئیں تو معلوم ہوا کہ وہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی سہیلی تھیں اور اکثر ان کے پاس آیا کرتی تھیں۔ عزت، مرتبہ اور دولت پا کر جو فرد غریب رشتہ داروں اور پرانے دوستوں کو چھوڑ دیتا ہے، وہ تعلق کو نباہنے والا نہیں، اس کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔

اپنوں سے آنکھیں پھیر لینا شیطان کے قابو میں چلا جانا ہے۔ کہ شیطان ہمیشہ دلوں میں تفرقہ ڈالتا ہے۔

بزرگوں نے کہا کہ کچھ علمائے حق ہوتے ہیں اور کچھ علماء سُوء! ایک دوسرے کی کاٹ میں رہتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے عباء وقباء کی نمائش کر کے دنیا کماتے ہیں۔ دنیا پوچھے گی یہ اسلام کیسا کہ جو ایک دنیا کو میل ملاپ اور اخوت کی تعلیم دیتا ہے، خود اس کے علماء مل کے نہیں رہ سکتے؟ اس کا جواب حضرت ابودرداؓ کے آنسو ہیں۔ جائے عبرت یہی ہے کہ بیل بھی تعلق کو نباہتے اور اتحاد کا ثبوت دیتے ہیں لیکن صاحبان ایمان توحید کے نام پر بھی تفریق کے قائل ہیں۔

حضرت ابودرداؓ ۲ھ ہجری میں ایمان لے آئے۔ جنگ بدر اور احد کے علاوہ دیگر تمام غزوات میں اللہ کے رسول کے ساتھ رہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کو نبی اکرم ﷺ نے آپ کا بھائی بنا دیا تھا۔

سیدنا عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اکابر صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو سب سے زیادہ اصحاب بدر کو عطا فرمایا۔ حضرت ابودرداؓ بدر کی لڑائی کے وقت ایمان نہ لائے تھے۔ لیکن ان کی عظمت کے پیش نظر سیدنا عمرؓ نے انھیں بدری صحابہؓ کے برابر وظیفہ دیا۔

(بقیہ از ص ۲۸)

دخل اندازی کا موقع ملتا رہے۔

چنانچہ وہ اپنی پوری طاقت اس بات پر صرف کر رہے ہیں کہ پاکستان میں جمہوریت مضبوط (Stablize) ہوتا کہ بیرونی طاقتوں کو ملک میں عمل دخل کا موقع ملتا رہے۔

ان وجوہات کی بنا پر ہمارے سیاسی لیڈران کرام خواہ وہ لادینی جماعتوں کے لیڈر ہوں یا دینی جماعتوں کے اپنے مفادات، اپنی اغراض اور اپنی لیڈری چمکانے کے لئے جمہوریت کے فروغ کے خواہاں ہیں اور وہ یہ بھول گئے ہیں کہ پاکستان ایک نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوا تھا اور اسی نظریہ کی وجہ سے قائم رہے گا۔ اسی جمہوریت نے پہلے بھی پاکستان کو دولخت کیا تھا اور اب بھی خاکم بدہن اس کو ٹکڑے کرنے کا باعث بنے گی۔

اسلامی جماعتوں کے راہ نماؤں کو ہوش کے ناخن لے کر فوری طور پر اس نظریے کو عنصر اسلامی ثابت کر کے ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے متحد ہو جانا چاہیئے۔ وگرنہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کو اچھے لفظوں سے یاد نہیں کریں گی اور اللہ کے ہاں بھی وہ ماخوذ ہوں گے۔

ڈاکٹر شفیق احمد ، طاہرہ نار

تحقیق

ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ الثانیہ اور اقبال

نشاۃ ثانیہ انگریزی زبان کے لفظ "REVIVAL" کا مترادف ہے۔ "REVIVAL" کے معنی دوبارہ زندگی پانے کے ہیں اسی طرح نشاۃ ثانیہ کسی نظریے، طرز زندگی یا تہذیب و تمدن کے نئے سرے سے احیاء کو کہتے ہیں گویا ملت اسلامیہ کی احیاء کے معنی اس شیر کے پھر سے بیدار ہونے کے ہیں جس نے صحرائے عرب سے نکل کر روم و ایران کی سلطنتوں کو الٹ دیا تھا ان سلطنتوں کو الٹنے کے لئے جہاں ان مادی وسائل کا میسر آنا ضروری ہے جو کارزارِ حیات میں نصرت و کامرانی حاصل کرنے کے لئے ظاہری اسباب کے طور پر ضروری ہوتے ہیں وہیں روحانی طور پر اس منزل تک پہنچنا بھی ضروری ہے جہاں مومن کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہونے کے باعث غالب، کار آفریں، کارکشا اور کارساز بن جاتا ہے اور جس کے سبب سے صرف تین سو تیرہ افراد ظاہری اسباب کے قلب کے باوجود کئی گنا دشمن پر غلبہ پانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

نشاۃ ثانیہ کی اصطلاح میں ایک مفہوم یہ بھی پوشیدہ ہے کہ تاریخ عالم میں ایک وقت ایسا آیا ہے جب ملت اسلامیہ ایک فعال قوت کے طور پر دنیا میں اپنا وجود رکھتی تھی لیکن بعد میں بربنائے وجود اس کی یہ حیثیت ختم ہو گئی اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھنے والی آنکھیں اب دوبارہ اس عہد کو زندہ دیکھنے کی خواہاں ہیں لیکن یہاں پر ایک وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ مذہب اور زندگی کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر اور رویہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ہم صرف ناموں کی حد تک مسلمان رہنے پر قناعت کرتے اور شیشہ گرانِ فرنگ کا احسان اٹھاتے ہوئے نہ صرف جوہری پلانٹ لگا کر چشم زدن میں دنیا کو ویران کر دینے والا اسلحہ بنالیں بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر خلا میں بکھرے لاتعداد ستاروں اور سیاروں پر قبضہ کر کے دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل ہو جائیں اور زمین و آسمان کی بے کراں وسعتوں میں اپنی حکومت کے جھنڈے گاڑتے ہوئے دعوی کریں کہ ہم اسلامی تاریخ کے زریں ترین عہد میں زندہ ہیں اور یہ کہ جیسی ترقی ہم نے کی ایسی ہماری تاریخ میں آج تک کسی دور میں بھی نہیں ہوئی ہو گی دوسری صورت وہ ہے جس کی جانب مولانا شبلی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم غیر مسلموں کی طرح آگے اور مزید آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے پلٹیں اور وہ بھی اس حد تک کہ ہماری زندگیاں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کی طرح ہو جائیں یعنی ہمارے قول و فعل کا تضاد ختم ہو جائے اور ہمارا ہر عمل صرف اور صرف حق و صداقت کے لئے ہو ظاہر ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کا خواہاں یوں تو ہر وہ شخص ہو گا جو خود کو مسلمان کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے لیکن ہمارے بعض اکابر نے ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے

نہ صرف ہر اس وسیلے سے کام لینے کی کوشش کی جو مقصد کے حصول میں معاون ہو سکتا تھا بلکہ اس کے لئے منظم و منضبط طریقے سے عملی و فکری سطح پر ایسا لائحہ عمل بھی تیار کرنے کی کوشش کی جس کو اپناتے ہوئے منزل تک پہنچنا آسان تر ہو جائے۔ اقبال بھی ایسے ہی اکابر میں سے ایک ہیں لیکن ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اقبال کی کاوشوں کا جائزہ لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ان اکابر بزرگوں اور اشخاص کا ذکر کر دیا جائے جنھوں نے اس سلسلے میں ناقابل فراموش اور اگر اقدر کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن اس سے بھی پہلے ایک اور بات طے کر لینی چاہیئے کہ آخر ملت اسلامیہ کا وہ کونسا دور ہے جسے نئے سرے سے زندہ کر کے نہ صرف خود ملت اسلامیہ بلکہ پوری نسل انسانی کی فلاح و نجات مقصود ہے کیونکہ مختلف جغرافیائی خطوں اور تہذیبی رویوں کے حوالے سے ایسے بہت سے دور گذرے ہیں جن میں مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے حکومت و سلطنت کے مالک رہے ہیں بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں میں بھی ملت اسلامیہ نے وہ حیثیت اختیار کئے رکھی ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں شاید ہی مل سکے مثلاً ایک دور تو آج کا دور ہے جس میں مشرق و مغرب میں مسلمانوں کی تعداد سینکڑوں اور لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں تک پہنچ گئی ہے اور بے شمار آزاد و خود مختار مسلمان ریاستیں موجود ہیں ایک وہ دور بھی ہے جس میں ہندوستان نے مغلیہ سلطنت کی صورت میں مسلمانوں کی حکومت کا وہ شکوہ اور دبدبہ دیکھا جو اس کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ سلطنت عثمانیہ بھی تقریباً چھ سو سال تک اپنی شوکت و جبروت کا نظارہ دکھاتی رہی اس سے بھی قبل بنو عباس اور بنو امیہ کی سلطنتوں نے بھی یک وسیع و عریض حکومت قائم کی یہ وہی دور ہے جس میں مسلمانوں نے فکری و مادی اعتبار سے حیرت انگیز ترقی کی اور علم و دانش کی وہ شمعیں روشن کیں جن سے یورپ کی ظلمت بھی روشنی میں بدل گئی۔ اس سلسلہ میں باقی عالم اسلام کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو صرف قرطبہ، غرناطہ اور اشبیلہ کی یونیورسٹیوں کا حوالہ دینا کافی ہو گا جن میں مسلمانوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں یورپی عیسائی بھی حصول علم کے لئے آیا کرتے تھے لیکن اسلامی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھنے والوں کے پیش نظر جس طرح آج کا دور نہیں ہے اسی طرح بنو امیہ اور بنو عباس کا دور حکومت بھی نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی حکمرانی کے اس عہد زریں میں ہر طرح کی ترقی کے باوجود اسے اسلامی دور کا بہترین نمونہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ عجمی تہذیب کے عناصر کی آمیزش نے مسلمانوں کے تہذیب و تمدن اور یونانی فلسفہ کے اثرات نے ان کے خیالات و افکار کی کچھ ایسی صورت گڑ دی تھی جسے اسلامی قرار دینا بھی اتنا ہی دشوار ہے جتنا غیر اسلامی کہنا۔ ایسی صورت حال میں صرف ایک ہی دور ایسا قرار پاتا ہے جس کے احیاء سے حیات و کائنات میں ایک بار پھر وہ انقلاب لایا جا سکتا ہے جس کے بعد پھر کسی انقلاب کی ضرورت باقی نہیں رہے گی یہ دور اسلام کے ابتدائی چند برسوں پر محیط ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ اور اس کے بعد خلافت راشدہ کا دور۔ تاریخ اسلام کا یہی وہ دور ہے جسے خالصتاً اسلامی عہد کہا جا سکتا ہے اس طرز زندگی اور نظم معاشرت کی کچھ جھلکیاں عمر بن عبدالعزیز اموی کے عہد حکومت میں بھی ملتی ہیں کیونکہ اس

دور میں بھی ہر طرح کے ذاتی سود و زیاں پر اسلام اور اسلامی اصولوں کو فوقیت حاصل رہی تھی۔
عمر بن عبدالعزیز کے جانشینوں کے عہد حکومت میں اخلاقی انحطاط پھر پیدا ہو گیا جس کے بعد ہر طرح کا زوال قوموں کا مقدر ہو جایا کرتا ہے لیکن ایسی حالت میں بہت سے بزرگوں مثلاً حسن بصری، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی وغیرہ نے وہ کام جاری رکھا جس سے قوم و ملت میں صحیح اسلامی روح بیدار ہونے کی امید ہو سکتی تھی زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی۔ علامہ ابن جوزی۔ نور الدین فرنگی، صلاح الدین ایوبی امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ نے قلم اور تلوار یا بیک وقت دونوں سے تجدید و اصلاح کے کام کو آگے بڑھایا۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال فکری و عملی طور پر عمر بن عبدالعزیز سے شاہ ولی اللہ تک پہنچنے والے اسی عظیم سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ علامہ اقبال بڑے شاعر ہوں یا بڑے فلسفی، اس طرح کی لایعنی بحث میں آئے بغیر ان کے افکار و خیالات کے مطالعہ سے جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بڑے مسلمان ضرور تھے۔ بڑا مسلمان نہ صرف اپنی ذاتی اور نجی زندگی کو اسلام کے آہنگ میں ڈھالنے کے لئے کوشاں رہتا ہے بلکہ اس کی خواہش یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے گرد و پیش کی زندگی بھی ہر سطح پر اس مفہوم سے آشنا ہو جائے جو اسلامی تعلیمات کا حاصل ہے۔ مفکر اسلام نے بھی اپنے شعر و فلسفہ کے ذریعے یہی سب کچھ کیا ان کے تمام خیالات و افکار کا حاصل ایک ہی عمل ہے کہ بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چلنے کا عمل اور ناقۂ بے زمام کو پھر سے قطار میں لا کر نظم و ضبط قائم کرنے کا عمل۔ ان کے دنوں کی تپش اور شبوں کا گداز اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صرف کہ زمانہ ایک بار پھر فقیری میں شاہنشی اور شہنشی میں فقیری کے اسی انداز کو دیکھ لے جس کے سامنے جلال بادشاہی اور جمہوری تماشا دونوں ہیچ بھی ہیں اور بے بے بضاعت بھی!

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ قوم و ملت کی تعمیر و ترقی اور اس کی خامیوں کو دور کرنے کا عمل عموماً دو طریقوں سے کیا جاتا رہا ہے ایک یہ کہ قوم کے مختلف طبقوں کے نقائص کا ذکر کر کے قوم کو مطعون کیا جائے اور یوں ان میں پستی و ذلت کا احساس پیدا کر کے یہ توقع کی جائے کہ وہ اصلاح و ترقی کی جانب راغب ہو جائیں گے ہندوستان میں سرسید کے رفقاء نے عمومی طور پر یہی طریقہ اختیار کیا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قوم کے زوال کے حقیقی اسباب کا سراغ لگایا جائے اور ان اسباب کو ختم کرنے کی طرف توجہ دی جائے۔

علامہ اقبال نے زوال کے خاتمے اور اصلاح و ترقی کے لئے اختیار کیا جانے والا دوسرا طریقہ پسند کیا اور ان عملی و نفسیاتی اسباب کا سراغ لگانے کی کوشش کی جس کے باعث قوم اپنے جوہر اور قوت عمل سے محروم ہو گئی تھی اس سلسلہ میں انھیں جو پہلی بات نظر آئی وہ یہ تھی کہ عجمی و ایرانی اور یونانی فلسفہ کی آمیزش سے مسلمان کچھ ایسے افکار و خیالات کو اپنائے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے حیات و کائنات کے دیگر مظاہر کے مقابلے میں نہ تو انھیں اپنی اہمیت کا احساس رہا ہے اور نہ اپنے اس فرض منصبی کا احساس رہا ہے جس کو بجالانے کی

ذمہ داری دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی ان پر عائد ہو گئی تھی علامہ اقبال کے خیال میں یہی ایک چیز ایسی تھی جس کو دور کر لینے کے بعد ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک لائحہ عمل متعین ہو جاتا چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے اس جانب توجہ دی۔

یوں تو فلسفہ خودی کے حوالے سے علامہ اقبال نے فکر و تدبیر، تسخیر کائنات اور عشق و فقیر وغیرہ کا ذکر کیا ہے لیکن ہمارے موضوع سے متعلق اصل چیز تقلید ہے جس کا ذکر کلام اقبال میں بار بار ملتا ہے کہیں تو تقلید کو ایمان کا جزو لازم قرار دے کر اسے اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور کہیں اسے زینوں کا مرض کہہ کر اس سے بچنے کی تلقین کی ہے یہ دونوں باتیں بظاہر متضاد ہونے کے باوجود ایسی ہیں کہ ان پر بیک وقت عمل کیا جا سکتا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ان پر بیک وقت عمل کرنے سے ہی اصلاح و تجدید کی وہ صورت نمایاں ہو گی جو مسلمان کو صحیح معنوں میں مسلمان بناتی ہے۔

تقلید جسے ایمان کا جزو لازم کہہ کر اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اسلاف کے اعمال حسنہ کی پیروی کا دوسرا نام ہے یہ اس میراث کی حفاظت ہے جس کو گنوانے پر آسمان ثریا سے زمین پر دے مارتا ہے جبکہ تقلید کی دوسری قسم ماضی سے وہ مریضانہ لگاؤ ہے جو ہر آئین نو کے راستے کی سب سے بڑی دیوار ہوتا ہے حکیم الامت اسے حریت فکر کے مقابلے میں محکومی کا نام دیتے ہیں ایسی محکومی جس کے بعد حکمت دین کے سیکھنے اور سکھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأت رندانہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

ہوس کی طرح تقلید بھی سینوں میں چھپ چھپ کر تصویریں بنانے میں خاص کمال رکھتی ہے بعض اوقات آزادی فکر کے اظہار کے لئے اپنے طور پر مذہب و معاشرت میں تبدیلیاں لانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ تبدیلیاں در حقیقت خود تقلید کے زمرے میں آتی ہیں یہ وہی صورت ہے جو مصطفےٰ کمال پاشا کے ساتھ پیش آئی تھی وہ تجدید و اصلاح کرتے کرتے ایسی راہ پر چل نکلا تھا جو بالآخر تجدد پر منتج ہوئی یوں ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے ہاں حریت فکر پر ایک قدغن بھی عائد ہے اور وہ یہ کہ تجدد و اصلاح کی تمام کوششیں اپنے اصل دائرہ میں رہ کر کی جانی چاہئیں علامہ اقبال کے نزدیک ذہنی محکومی کے دور میں کی جانے والی کوئی بھی اصلاح درحقیقت الہام پر فائز ہونے کے باوجود اقوام کے لئے چنگیز کی حیثیت رکھتی ہے۔

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

مفکرِ اسلام کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہمارے علماء

کرام اور مجتہدین سخت محنت و کاوش سے کام لیکر اسلامی قانون وفقہ کی تشکیل جدید نہیں کرلیتے کیونکہ دوسری صورت میں بعض بہت اہم اور نازک مسائل نے ایسی شکل اختیار کرلی ہے جنکے حل نہ ہونے کی صورت میں خود مذہب کے امکان کے بارے میں سوال اٹھنے لگتا ہے لیکن علامہ اقبال یہ اہم ذمہ داری صرف علماء پر ڈال کر مطمئن نہیں ہو جاتے بلکہ الحادی فلسفہ کی جانب سے مذہب کے بارے میں اٹھائے جانے والے سوالات کا جواب دیتے ہوئے اجتہاد کے بارے میں خود اپنے خیالات کا بھی نہایت شرح و بسط سے اظہار فرماتے ہیں "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" "Reconstruction of religious thoughts in Islam" کے ایک خطبے "اجتہاد فی الاسلام" میں اسلامی فقہ کے جامد ہو جانے کے اسباب سے بحث کرتے ہیں فرق اسلامی کے مختلف ماخذ کا ذکر اور ان کی اہمیت و افادیت کا احساس دلاتے ہوئے ان سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ زمانہ حال میں اسلامی فقہ کی تدوین نو کے سلسلہ میں ہونے والے کام کا جائزہ لیکر اس کی قدر و قیمت بھی متعین کی جاتی ہے مفکر اسلام جس اجتہادی کارنامہ کو روح اسلام کے انکشاف کا ذریعہ تصور کرتے ہیں اسے خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور جو بات ان کے خیال میں محض اغیار کی تقلید ہے اس کی مذمت کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں پہلی صورت اس وقت کھل کر سامنے آتی ہے جب جدید ترکی میں خلافت کو ختم کر کے "گرینڈ نیشنل اسمبلی" کی تشکیل کی جاتی ہے تو وہ اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ امر ہمارے لئے بہت زیادہ اطمینان کا باعث ہے کہ دنیا میں جنم لینے والی نئی نئی طاقتیں اور یورپین اقوام کے سیاسی تجربات دور حاضر کے مسلمانوں کے ذہنوں پر نظریہ اجماع کے امکانات اور قدر و قیمت مرتسم کر رہے ہیں اسلامی ممالک میں جمہوری روح کی نشوونما اور مجالس آئین ساز کا بتدریج قیام ترقی کی طرف بہت بڑا قدم ہے"

اطمینان کا ایسا ہی اظہار ایران میں رضاشاہ کے کارناموں پر بھی کیا جاتا ہے لیکن جب یہی ایرانی اور ترک مسلمان تجدید و اصلاح کے زعم میں بعض ایسے اقدامات کرتے ہیں جو قرآن کے احکامات سے براہ راست متصادم ہیں تو حکیم الامت بجا طور پر سمجھنے لگتے ہیں کہ روح شرق کو ابھی ایسا بدن نہیں مل سکا جو ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا موید بن سکتا اور ملت اسلامیہ ایک بار پھر زندگی کی ہر سطح پر اقوام عالم کی راہ نمائی کر سکتی۔

نہ مصطفےٰ نہ رضاشاہ میں نمود اس کی کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

روح شرق وہی قوت ہے جو جنیوا کی بجائے مکہ کو اپنا مرکز بنا کر نسل انسانی کی تقدیر بدل سکتی ہے (۱) یہی ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ ہے اسی کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا۔ کامل یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ دیگر خوابوں کی طرح علامہ اقبال کا یہ خواب بھی جلد یا بدیر شرمندہ تعبیر ہو کر رہے گا۔

مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام (ضرب کلیم)
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم

قلم برداشتہ

سید عطاء المحسن بخاری

اسلام کا قلعہ

پاکستان کے باسی مسلمان کہلاتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ فخر کرنا بھی چاہئیے کہ مسلمان کہلانا، مسلمان ہونا، مسلمان بننا اور مسلمان رہنا یقیناً فخر کی بات ہے۔ لیکن مسلمان رہنا بڑی غور طلب اور فکر انگیز بات ہے بلکہ فکر افروز بات ہے..... اور پاکستانیوں کی ترجیحات دیکھ کر مسلمان رہنے کی حقیقت ملگجی سی ہو جاتی ہے۔ مثلاً آج کل پاکستانی قوم کرکٹ کے کھیل تماشے میں بتاشہ بن کے رہ گئی ہے۔ قوم کی قوم کرکٹ خولیے میں مبتلا ہے، طلباء تعلیم سے بیگانے ہیں، دفتری لوگ کارِ بے کاراں کے صیدِ زبوں، سیاسی نٹ کھٹ بھی کرکٹ کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر و نخچیر ہیں اور جیالے تو تکبر، غرور، سرور اور بدمستی میں زرداری کے ہمراہ طبلے کی "خشک" تھاپ پہ "عابدانہ" "الن" بنے آنکھیں موند کر گائے جا رہے ہیں..... میں جس کو چاہوں شکار کر لوں..... اور، زرداری صاحب الاپ رہے ہیں..... جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے......، شکاریوں کے اس لہو ولعب پر بے اختیار قرآن کریم کے ستائیسویں پارے کی آیت دل و دماغ پر ابھر ابھر آئی۔ قارئینِ کرام بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(ترجمہ) "جان رکھو، دنیا کی زندگی تو اسی کھیل کود، تماشے، بناؤ سنگھار اور آپس میں مال و اولاد کی کثرت (و قوّت) پر فخر و غرور (اور اس میں مسابقت) سے عبارت ہے۔ جیسے ایک بے دین کسان مینہ (کے برسنے) سے خوش ہو جاتا ہے کہ اس سے (زمین میں سے) سبزہ اگتا ہے، جو شاداب ہو کر لہکتا ہے۔ (لیکن) پھر یہی سبزہ مرجھاتا، پامال ہوتا اور روند دیا جاتا ہے۔ (پس) آخرت میں عذابِ شدید (بھی) ہے اور (توبہ کر لینے پر) مغفرت بھی ہے اور اللہ کی رضا (بھی)! اور دنیا کی زندگی کیا ہے؟ (محض) دھوکے کی جنس!"

اس دھوکے کی جنس کو دنیا کے بازار کساد میں چمکا، سجا کے لانے والے یہودی اور عیسائی کتنے کامیاب ہیں کہ زرداری، سلمان تاثیر اور نکئی بھی ان کے ہمراہ چمکانے اور عوام کو ہمکانے میں جت گئے۔ اور ان علقمی صفت بڑوں کے پاس جتنے بھی اشتری حیلے اور مختاری چالیں تھیں وہ سب داؤ پر لگا دیں۔ کسی نے پلاٹ، کسی نے پچاس لاکھ اور کسی نے کان میں کچھ کہا تو سننے والے نے گھاس اور دانہ چھوڑ دیا۔

گر گدھی کے کان میں کہہ دوں کہ ہوں تجھ پر فدا
ہے یقیں کامل کہ وہ بھی گھاس کھانا چھوڑ دے

سب سے تکلیف دہ پوزیشن تو حکومت کی ہے جس نے حسن بن صباح کی طرح اپنے حشیشیوں کے لئے قذافی سٹیڈیم کو جنت الحمقاء بنا دیا ہے۔ اگرچہ اس "لعبانہ" کالس حشیش کے نشہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ حشیش تو افراد کو نگل جاتی ہے مگر اس کافرادا، کافر صفت "لعبانہ" نے پوری قوم کو ہڑپ کر لیا ہے۔ حکومت کی کافرانہ

گیم پالیسی نے اس دور کے سبز واریوں کی شعبدہ بازیوں کی جے جے ونتی کے ذریعہ سے قوم کا رخ اپنی کوتاہیوں اور سیاہ کاریوں سے ہٹا کر، گیم کی طرف موڑ دیا ہے۔

من قبلہ راست کردم برطرفِ بلّا بازے

جس ملک میں غربت، افلاس، قلاشی..... قلندر اور بندر کی طرح خوں خوں کرے اور اپنے خونیں پنجوں سے قومی جسم کو نوچے۔ جس ملک میں ڈاکو، قاتل اور انسان نما بھیڑئیے بے گناہوں کو لوٹیں، بھنبھوڑیں اور معصوم بچوں کو سفاکی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ جس ملک میں دو دو ٹن گدھے کی لید، دھنیے میں ملا کر کھلا دی جائے، جس ملک کے حکمران اپنی عیاشیوں، فاشیوں، بدمعاشیوں پر قومی خزانہ گنوائیں، لٹائیں اور غبار کی طرح اڑائیں۔ جس ملک میں حقوق العباد سے مجرمانہ تغافل معمولات اور حقوق اللہ سے بے گانگی مباہات میں شامل ہوں۔ جس ملک میں حدود اللہ، فساق و فجار کی تنقید کی زد میں ہوں۔ جس ملک میں رسول اللہ ﷺ کی شخصی اور شرعی توہین ہو رہی ہو اور سنتیں پامال ہو رہی ہوں۔ جس ملک میں صرف مظلوم اسلام پر ہی تنقید کی تان توڑنے اور طعن توڑنے کا نام دانش وری ہو۔ کیا وہ ملک اسلام کا قلعہ ہے؟

اسلام کا قلعہ، تو یہ کبھی بھی نہیں رہا۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے لیکر آج تک کی حکمران پارٹیوں نے ہمارے سماجی ڈھانچے کو دینی قدروں، دینی رویوں اور دینی جذبوں کی بنیاد پر تیار نہیں کیا بلکہ ہمارا موجودہ سماجی و ثقافتی نظام ہندوازم اور یورپین کلچر کا ملغوبہ ہے اور ان دونوں کافرانہ نظاموں کی ادھوری اور جھوٹی نقل ہے۔ لیکن چونکہ اس بد نظمی اور بے ہنگم پنے کو مسلمانوں نے قبول فرما لیا ہے۔ اس لئے اس پر "میڈان پاکستان" کی مہر لگ گئی ہے لہذا یہ اسلام ہے۔ حالانکہ یہ نہ تو کفر ہے اور نہ اسلام ہے۔ یہ کیا ہے؟ پاکستانی اسلام! پاکستانی روشن خیالوں کی ثقافت کا نمونہ اور فخریہ پیشکش! یعنی دو کفریہ سماجی نظاموں کا ملغوبہ! یوں تو قومیں نہیں بنتیں، اور نہ دو قومی نظریے بنتے ہیں!..... لیکن اب دو قومی نظریے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اب نیا زمانہ اور نئے صبح و شام پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اقلیتوں کو دُہرے ووٹ کا حق دیا جا رہا ہے۔ جداگانہ طریقِ انتخاب کے خاتمے اور مخلوط طریقِ انتخاب کی بحالی کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ آزادانہ، منصفانہ، غیر جانبدارانہ اور غیر جداگانہ انتخابات کا حاصل..... زنانہ قیادت! وَنس اگین، وَنس مور.....!

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی، ان سے نجات پائے کیوں؟

☆ ☆

حکیم محمود احمد ظفر

مقالۂ خصوصی
آخری قسط

جمہوریت ایک فتنہ اور فراڈ

ان کے علاوہ اور بھی کئی مقام پر حضرت علامہ نے اس جمہوریت کی جس کو آج پاکستان میں بڑے زور شور سے نافذ کیا گیا ہے، تردید کی ہے اور اس کو سرمایہ داروں کی جنگ زرگری قرار دیا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض علمائے کرام بھی اسی رو میں بہہ گئے اور سیکولر اور غیر اسلامی جماعتوں کے قائدین کے ساتھ مل کر انہوں نے بھی جمہوریت زندہ باد کے نعرے لگانا شروع کر دیئے اور اسلام کے خلافتی نظام کو گلدستہ طاق نسیان بنا دیا۔ حالانکہ اس جمہوری نظام کے خلاف ایک عالم ہی نے آواز اٹھائی تھی اور وہ تھے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی۔ آپ نے اپنے مختلف مواعظ اور کتابوں میں اس نظام حکومت کو احمقوں کی حکومت قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا:

"مولانا محمد حسین الہ آبادی نے سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ۔ تو اس قاعدے کی بنا پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا۔ (۱) (وعظ تقلیل الاختلاط مع الانام ص ۲۶)

ایک اور وعظ میں فرمایا:

"اوّل تو کثرت رائے میں احمقوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ ان کی کثرت تو حماقت ہی کی طرف ہوگی۔ پھر ان سے بھی پہلے اپنی رائے منوالی جاتی ہے اور سبق کی طرح پڑھا دیا جاتا ہے کہ ہم یوں کہیں گے تو یوں کہہ دینا جیسے وکیل گواہوں کو پڑھاتے ہیں۔ اب وہ کثرت کیا خاک ہوئی"۔ (وعظ النساء ص ۱۴)

آپ نے اپنے ایک وعظ میں جمہوری اور شخصی حکومت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی..... فرمایا:

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی کے حامی ہیں، مگر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے کبھی حکمی۔ فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد ہے مگر وہ واحد حکمی ہے حقیقی نہیں۔ تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اس میں گو بظاہر بہت سے آدمی ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ میں بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو رائے دے دے وہی پاس ہو جایا کرے۔ اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کسی قدر آدمی کا دعوی صحیح ہوگا مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم شخص واحد حقیقی کے حامی ہیں اور تم شخص واحد حکمی کے حامی ہو۔ جمہوریت کے حامی تو تم بھی نہ رہے۔ جمہوریت اور آزادی کامل تو جب ہوتی جب ہر شخص اپنے فعل میں آزادی ہوتا، کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا۔ نہ ایک بادشاہ کا نہ پارلیمنٹ کے دس

ممبروں کا۔ اور یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنا دیا۔ ہم تو ایک ہی کا غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنا دیا۔ تمہیں فیصلہ کر لو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے، یا دس بیس کا غلام ہونا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس مشہور ماہر سیاسیات (Lucky) نے بھی لکھا ہے کہ جمہوریت سب سے زیادہ جاہل اور نااہل لوگوں کی حکومت ہے جو لازمی طور پر تعداد میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔" (اصول سیاسیات ص ۲۱۰ از صفدر رضا)

بیس کی حکومت ہو۔ یہ حاصل ہے جمہوری سلطنت کا کہ رعایا کی غلامی سے تو اسے بھی انکار نہیں، مگر وہ یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو اور یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو"۔

اپنے ایک اور وعظ میں حضرت تھانوی نے فرمایا:

"غرض اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں۔ اسلام میں محض شخصی حکومت کی تعلیم ہے۔ ان مفاسد کی وجہ سے جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے وہ سلطنت شخصی میں محتمل ہی ہیں اور جمہوری میں متیقن ہیں۔ شخصی حکومت میں یہ خرابیاں بیان کی جاتی ہیں کہ اس میں ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے حالانکہ ممکن ہے کہ کسی وقت اس کی رائے غلط ہو، اس لئے ایک شخص کی رائے پر سارا نظام نہ چھوڑنا چاہیے بلکہ ایک جماعت کی رائے سے کام ہونا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح شخصی سلطنت کے بادشاہ کی رائے میں کبھی غلطی کا احتمال ہے اسی طرح جماعت کی رائے میں بھی غلطی کا احتمال ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ یہ ایک شخص کی رائے ہمیشہ غلط ہوا کرے اور دس کی ہمیشہ صحیح ہوا کرے۔ بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا ذہن نہیں پہنچتا..... تو جماعت کی رائے کا غلط ہونا بھی محتمل ہے۔ اب بتلایئے کہ اگر کسی وقت بادشاہ کی رائے صحیح ہوئی اور پارلیمنٹ کی رائے غلط ہوئی تو عمل کس پر ہوگا۔ جمہوری سلطنت میں کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے۔ بادشاہ اپنے رائے سے فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ کثرت رائے سے مغلوب ہو کر غلط رائے کی موافقت پر مجبور ہوتا ہے۔ اور شخصی سلطنت میں بادشاہ اپنی رائے پر ہر وقت عمل کر سکتا ہے اور جمہوری میں اکثر کثرت رائے غلطی پر ہوئی تو صحیح رائے پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ سب مجبور ہیں غلط رائے کی موافقت پر۔ اور یہ کتنا بڑا ظلم ہے اس لئے یہ قاعدہ کلی غلط ہے کہ کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے بلکہ قاعدہ یہ ہونا چاہیے کہ صحیح رائے پر عمل کیا جائے خواہ وہ ایک ہی شخص کی رائے ہو"

یہ مختصر سے اقتباسات تھے جو نقل کئے گئے۔ مولانا تھانوی نے مختلف وعظوں میں مختلف طریقوں سے جمہوریت کی اس کثرت رائے کی قلعی کھولی ہے۔ ایک جگہ یہ بتایا کہ جو لوگ کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھتے ہیں وہ بادشاہ کو تنہا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیتے، وہ پہلے ہی سے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ ایسا ضعیف الرائے ہے کہ اس کی تنہا رائے قابل اعتبار نہیں اور وہ نااہل ہے، تو واقعی جو لوگ اپنے بادشاہ کو ایسا سمجھتے ہیں ہم اس سے گفتگو نہیں کرتے"

... ن، ... اور

... خرابیاں جو معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہیں اسی جمہوریت کی وجہ سے ہیں۔ لیکن پاکستان میں ان جمہوریت گزیدہ مولوی حضرات نے معلوم نہیں اسلام کو جمہوریت میں مقید کر دیا اور اسلام کا خلافتی نظام چھوڑ کر جمہوریت کے اس کفریہ نظام کو اپنانے لگے اور اس کو رائج کرنے کے لئے شریعت اسلامیہ کی ساری حدود کو توڑ کر رکھ دیا۔ اسلام میں عورت کے سربراہِ مملکت ہونے کے جواز کے فتوے دیئے۔ سیکولر پارٹیوں سے صرف جمہوریت کے لئے اتحاد کیا کیونکہ ان کا مقصد زندگی جمہوریت اور الیکشن ہیں۔ حالانکہ جس جمہور کی حاکمیت جمہوریت میں تسلیم کی جاتی ہے ان کے الیکشن کے موقع پر باقاعدہ سودے ہوتے ہیں۔ اور انتخاب کی منڈی میں بعض تھوک فروش جاگیردار، وڈیرے اور بڑے سرمایہ دار بہت بڑے پیمانے پر یہ کاروبار کرتے ہیں۔ امریکہ ایسے قبلہ جمہوریت کا یہ حال ہے کہ اس کی ایک ریاست ٹینس سی کے ایک شخص کے قبضے میں ستر ہزار ووٹ تھے اور یہ شخص ٹیلی فون پر بیٹھا ووٹوں کے سودے کیا کرتا۔ اسی طرح ایک مغربی مصنف ایمزے میور (Remsay Muir) نے اپنی ایک کتاب (How England is Governed) میں انگلستان کے بارہ میں بھی ایسا ہی لکھا۔ ووٹروں کے سودے صرف پاکستان میں ہی نہیں ہوتے بلکہ دنیا کے جس ملک میں جمہوریت ہے وہاں ووٹروں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں لاسکی (Laski) کی کتاب (The crises of Democracy) اور ہرن شا (Hearn shaw) کی کتاب Democracy on the crossway پڑھنے کے قابل ہیں۔

ایسے جمہوریت زدہ علماء کے بارہ میں ایک بزرگ نے بڑے پتے کی بات فرمائی ہے کہ

"ہمارے علمائے کرام نے سیکولرزم کی تردید کے جوش میں سیاست کو اسلامی بنانے کے بجائے اسلام کو سیاسی بنا دیا۔ ان کا کہنا یوں تھا کہ سیاست کو دین سے الگ نہ ہونا چاہیے لیکن کہا یوں کہ دین کو سیاست سے الگ نہیں ہونا چاہیئے۔"

تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت کی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ اس سے امیر دن بدن امیر تر ہوتا جا رہا ہے اور غریب روز بروز غریب تر، لیکن دوسری طرف جمہوری نظام کی حمایت کی جا رہی ہے اور اس کو ملک میں مستحکم کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں جو کہ نہ صرف سرمایہ دارانہ نظام کی فرع ہے بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کو دنیا میں قائم ہی اس نے کیا ہے۔ یہ حصول زر کی دوڑ اور مسابقت، شخصی ملکیت کا غیر محدود حق، اجیر و مستاجر میں کھینچا تانی، منکرات و فواحش کا فروغ، بے روزگاری، اخلاق سوز حرکات، جنسی بے راہ روی، نو آبادیاتی نظام، سود، بیمہ اور دیگر مفاد پرستانہ حربے اسی جمہوریت ہی کی کوکھ سے نکلے ہیں۔ یاد رکھو

منتظر ہے یہ جہان آئینِ پیغمبر کا آج
ورنہ سب بیکار ہے جمہور ہو یا تخت و تاج

اسلام میں سیاسی جماعتوں کا وجود

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اسلام میں جمہوریت کا کوئی وجود نہیں ہے اور جو لوگ اسلام میں جمہوریت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اسلام کی تعلیمات سے ناآشنا ہیں۔ اسلام ایک فطری دین ہے اور جمہوریت فطرت کے بھی خلاف ہے کیونکہ جس نظام حکومت میں ملک کے چیف جسٹس اور ایک جاہل اور اجڈ دیہاتی کی سیاسی رائے کی ایک حیثیت ہو وہ نظام فطری کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ اسلام میں جمہوریت کے نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ جمہوریت سیاسی جماعتوں کے بغیر نہیں چل سکتی اور اسلام میں سیاسی جماعتوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اسلام تو دنیا میں مختلف سیاسی جماعتوں کو ختم کر کے وحدت لی کا نظام ختم کرنے کے لئے آیا تھا نہ کہ امت واحدہ کو مختلف سیاسی جماعتوں میں تقسیم کرنے کے لئے تاکہ آئے روز کی سر پھٹول رہے۔

بعض نام نہاد سیاسی جماعتیں یہ کہتی ہیں اور ان میں سے ایک نے عدالت عالیہ میں یہ بیان بھی دیا تھا کہ خود صحابہ کرامؓ میں بھی تین سیاسی پارٹیاں تھیں۔ ایک مہاجرین دوسرے انصار اور تیسری سیاسی پارٹی بنو ہاشم کی تھی۔ ان کا یہ کہنا جہالت پر مبنی ہے اور میرے خیال میں وہ سیاسی جماعت کی تعریف سے بھی ناواقف ہیں۔ موجودہ جمہوری دور میں سیاسی پارٹی میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ رضاکارانہ تنظیم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شہریوں کا ایک منظم گروہ جو ایک ہی سیاسی عقیدہ رکھتا ہو اور جو سیاسی اتحاد کے ذریعہ اقتدار و حکومت کے حصول کی کوشش کرتا ہو۔

۲۔ اس کی تشکیل مخصوص سیاسی عقیدہ کی بنا پر ہو یعنی جو کسی اصول یا پالیسی کی بنا پر منظم ہو اور جو آئینی ذرائع سے حکومت سنبھالنے کی کوشش کرے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اس کی تشکیل کا مقصد اقتدار کا حصول ہو۔

اب جو لوگ مہاجرین وانصار اور بنوہاشم کو موجودہ سیاسی جماعتوں کے مماثل قرار دے رہے ہیں ان کو عقل کے ناخن لے کر یہ سوچنا چاہیئے کہ جب مہاجرین اور بنوہاشم مکہ کے گلی کوچوں میں مخالفین سے پٹ رہے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں برداشت کر رہے تھے تو وہ سب کچھ صرف اور صرف اس لئے برداشت کر رہے تھے کہ وہ کسی نہ کسی وقت کاروبار مملکت پر قابض ہوں اور نظام حکومت ان کے ہاتھ میں ہو۔ مہاجر و انصار تو ان کے صفاتی نام تھے سیاسی نام تو نہ تھے اور نہ ہی ان کا مقصد اور غرض کوئی سیاسی فائدے کے حصول کا تھا۔ نہ ان لوگوں میں کوئی حزب اقتدار تھا اور نہ کوئی حزب اختلاف۔ ان میں ہر ایک حکومت کی سیاسی پالیسی پر تنقید کرتا تھا لیکن مہاجر اور انصار ہونے کے ناطے نہیں بلکہ مسلمان اور ایک اسلامی مملکت کا شہری ہونے کے [illegible]

(Agree to Differ) نہیں تھا بلکہ تنقید برائے اجتماع (Differ to Agree) تھا۔ ان کے سیاسی عقیدے الگ الگ نہیں۔ ان کا ایک ہی عقیدہ اور ایک منشور تھا۔

بعض حضرات مہاجرین اور انصار کی بجائے عرب کے مختلف قبائل کو سیاسی جماعتوں کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ اور اوس اور خزرج انصار کے ان دو قبائل کی باہمی رقابت کو سیاسی اختلاف پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ یہ بات بھی سراسر غلط ہے۔ اوس و خزرج میں جو باہمی رقابت اور آویزش تھی وہ اسلام لانے کے بعد محبت اور آمیزش میں تبدیل ہو گئی تھی۔ یہ تو انصار کے دو قبیلے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے انصار اور مہاجرین میں جو باہمی اخوت پیدا کی تھی۔ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کیا ایسی محبت اور اخوت مختلف منشور رکھنے والی سیاسی پارٹیوں میں پیدا ہو سکتی ہے؟ قرآن تو ان لوگوں کے بارہ میں رحماء بینھم کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور آج کل کے نام نہاد اسلامی جماعتوں کے لوگ انہیں مختلف سیاسی پارٹیوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

جمہوریت کی خرابیاں اور مفاسد چونکہ عیاں ہیں، لہذا بعض حضرات یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمہوریت واقعی کوئی اچھا نظام حکومت نہیں اور اسلام میں واقعی کوئی جمہوریت نہیں لیکن چونکہ اس وقت بیشتر ممالک میں جمہوری نظام رائج ہے اور ترقی یافتہ ممالک کی خواہش بھی یہ ہے کہ پوری دنیا میں جمہوری نظام ہو، لہذا جمہوریت کو مشرف باسلام کر کے رائج کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے جو جمہوریت کے نظام سے ناآشنائی کی وجہ سے ان کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کو مشرف باسلام نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت میں مقتدر اعلیٰ جمہور ہیں جب کہ اسلام میں مقتدر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ اسلام میں کوئی انسان مقتدر اعلیٰ نہیں ہو سکتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جمہوریت میں پانچ ارکان ہیں جن پر جمہوریت کی یہ عمارت کھڑی ہے۔ وہ پانچ ارکان یہ ہیں۔

۱۔ حق بالغ رائے دہی بشمول خواتین
۲۔ سیاسی پارٹیوں کا وجود
۳۔ ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قیمت
۴۔ دو خواست برائے نمائندگی اور اس کے جملہ لوازمات
۵۔ کثرت رائے سے فیصلہ

ان پانچ چیزوں کے بغیر جمہوریت کی گاڑی ایک قدم بھی نہیں چل سکتی جبکہ اسلام کے نظام حکومت میں ان ارکان میں کسی ایک کو بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا کسی صورت میں بھی جمہوریت کو مشرف باسلام

نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسلامی نظام خلافت اور جمہوریت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

مختصر یہ کہ جمہوریت اس وقت دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک نہایت خوبصورت سانپ ہے جو اوپر سے بہت خوبصورت ہے لیکن اندر سے نہایت زہریلا جو اخلاق، معاشرہ اقتصادیات اور مذہب سب کو ڈس کر بھسم کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس نظام میں ووٹوں کے ذریعہ پاکستان میں اسلام آنے کی امید لگائے بیٹھے ہیں وہ جنت الحمقاء میں بستے ہیں۔ اور ان کا یہ خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو گا۔

جمہوریت کے بارہ میں سب سے زیادہ افسوس علمائے کرام پر آتا ہے جن میں سے بعض نے اپنی سادگی کی وجہ سے اور بعض نے دولت دنیائے دوں کی حرص میں اس کو عین اسلام بنا دیا اور ملک میں ان کی سرگرمیوں کا واحد نقطہ ارتکاز جمہوریت کی بحالی بن کر رہ گیا۔ جماعت کی پیشانی پر لیبل اسلام کا لگایا۔ جھنڈے اسلام کے نام پر کھائے۔ جہازوں کی سیر اسلام کے نام پر کی اور اب خدمت بحالی جمہوریت کی ہو رہی ہے۔ اب اسلام کا نام بھی نکل گیا اور صرف اور صرف جمہوریت کا نام باقی رہ گیا۔ گویا جمہوریت اسلام سے بھی بڑی کوئی چیز ہے۔ پھر جمہوریت کی بحالی کے لئے ان جماعتوں سے بھی تعاون کیا جا رہا ہے جو اسلام کے سراسر خلاف ہیں۔ جن کے نزدیک حاکمیت اللہ تعالیٰ کی نہیں بلکہ عوام کی ہے۔ اور جن کے نزدیک اسلام ایک قصہ پارینہ ہے اور علماء کا طبقہ رجعت پسند ہے۔ جو برسر عام اسلام کی مخالفت اور علماء پر دشنام طرازی کرتے رہتے ہیں۔ ان جماعتوں سے اسلام کے لئے نہیں کیونکہ اسلام کے تو وہ خود مخالف ہیں، صرف اور صرف بحالی جمہوریت کے لئے تعاون کا ہاتھ بڑھائے ہوئے ہیں۔ اس سے زیادہ اسلام کے بارہ میں اور بے غیرتی کیا ہو گی۔ ان حضرات کو قرآن و سنت سے صرف جمہوریت کی بحالی کا حکم ہی دیا گیا اور قرآن و حدیث کی کتابوں میں انھیں صرف جمہوریت ہی نظر آئی۔

بلاشبہ قرآن ہدایت ہے، لیکن آدمی کا اپنا چہرہ جس قدر صاف ہو گا اتنا ہی زیادہ وہ آئینہ میں دکھائی دے گا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں سے بھی آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے۔ جو وہ اس سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن ۔ کے ذریعہ بے راہ رو ہوئے ہیں اور امت مسلمہ کو بھی بے راہ رو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ قرآن کے ذریعہ بے راہ رو ہونے کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو وہ ہے کہ آدمی قرآن میں سے ایسی باتیں ڈھونڈ لے جو اس کے لئے قرآن پر ایمان نہ لانے کا بہانہ بن جائیں۔ مگر جو لوگ قرآن کو مانتے ہیں وہ بھی اس خطرہ سے محفوظ و مصئون نہیں۔ اس کی ممکنہ صورتوں میں سے ایک وہ ہے جس کا نام قرآن نے تحریف رکھا ہے، یعنی سب کچھ جاننے کے باوجود محض اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کلام الٰہی کے الفاظ یا اس کے معانی کو تبدیل کر دینا۔ (بقرہ۔ ۷۵)

دوسری شے اقتسام ہے۔ (حجر:۹۰) کے معنی ہیں تقسیم کرنا، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو پوری کل میں قبول نہ کیا جائے بلکہ اپنی خواہشات کے مطابق ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کے بعض حصوں کو لیا

جائے اور بعض کو چھوڑ دیا جائے۔

تیسری صورت وہ ہے جس کو قرآن میں مضاہاۃ کہا گیا ہے۔ (توبہ: ۳۰)
مضاہاۃ کے معنی عربی زبان میں مشاکلۃ الشی بالشی کے آتے ہیں۔ (لسان العرب) یعنی کسی شے کو دوسری شے کے ہم شکل قرار دینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل باطل کے خیالات سے متاثر ہو کر یا دنیوی مصلحتوں کی بنا پر ان کی بات یا نظریہ کو اپنا لیا جائے اور اس کو اس طرح پیش کیا جائے گویا وہ خدائی تعلیم کے عین مطابق یا اس کے مشابہ ہے۔

جہاں تک پہلی صورت (تحریف) کا تعلق ہے اس کی بنیاد مکمل طور پر بد نیتی پر قائم ہے اور سب لوگ اس کی برائی سے بخوبی واقف و آشنا ہیں، لیکن دوسری اور تیسری صورت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ یہ فتنہ کبھی کبھی اچھے خاصے نیک نیت لوگوں میں بھی اس طرح چپکے سے داخل ہو جاتا ہے کہ انہیں خبر نہیں ہوتی اور اپنا کام تمام کر کے بالآخر انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ جمہوریت کے بارہ میں بھی بعض علماء سے یہی تیسری صورت صادر ہوئی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ جس طرح سوشلزم صرف اس چیز کا نام نہیں کہ ایسا معاشرہ اور سماج پیدا کیا جائے جس میں کوئی شخص کسی سے نفع کا طالب نہ ہو یا ایسا معاشرہ پیدا کیا جائے جس میں ہر شخص کو اشیائے ضرورت اس کی حسب خواہش ملتی رہیں بلکہ سوشلزم کے پیچھے ایک فلسفہ ہے، ایک تاریخ ہے اور ایک نظریہ ہے جس کے تحت یہ وجود میں آیا۔ اسی طرح جمہوریت بھی صرف کثرت وقلت کا نام نہیں بلکہ یہ بھی ایک ایسا نظریہ ہے جو غیر اسلامی اور خدا بیزار ہے اور ایک انسان کی پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ اور اولین اصول ہی خدا کی حاکمیت کو ختم کر کے عوام کی حاکمیت کو قائم کرنا ہے جو کہ سراسر کفر، شرک اور زندقہ ہے۔

جب جمہوریت میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی نہیں بلکہ جمہور کی ہوتی ہے کیونکہ جمہوریت میں انسان کے ماوراء کسی اور ہستی کو مقتدر اعلیٰ اور حاکم اعلیٰ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس میں اکثریتی پارٹی کی حکومت ہوتی ہے جو اپنی مرضی سے اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت بناتی ہے۔ پھر جمہوریت میں ریاست اور قومیت کا تصور ہے، ملت کا کوئی تصور نہیں۔ جبکہ اسلامی نظام میں ملت کا تصور ہے کیونکہ اس کا مقصد عمدہ عالمی نظام قائم کرنا اور اس کی تعمیر و بلندی ہے کیونکہ اسلام کا پیغام نہ وطنی ہے، نہ قومی اور نہ ہی کسی مخصوص سرزمین کے لوگوں کے لئے ہے بلکہ اس کا پیغام تمام دنیا کے لوگوں کے لئے ہے۔ ان تمام غیر اسلامی عناصر کے ہوتے ہوئے معلوم نہیں پھر ہماری اسلامی نظام کی علمبردار جماعتیں جمہوری نظام حکومت کی مضبوطی (Stability) اور اس کی قیام کے لئے کیوں زور دے رہی ہیں۔ اسلام کا نام تو صرف ان کی زبانوں تک ہے ان کے دل میں جمہوریت ہی بس رہی ہے۔ اور وہ اسی کا پرچار کر رہے ہیں۔ انہیں پتہ نہیں کہ اسلام میں ملت کا تصور قومیت کے اس محدود نظریہ کو رد کرتا ہے جس کی بنیاد جمہوریت میں جغرافیائی اتصال، یا نسل

ورنگ اور لسانی اتحاد پر ہے۔ کیونکہ اسلام میں علاقائی، نسلی اور لسانی تعصب کی کوئی گنجائش نہیں۔ مشرقی پاکستان کا مغربی پاکستان سے الگ ہو جانا صرف اور صرف جمہوریت کی بنا پر تھا کیونکہ ان دونوں علاقے کے لوگوں نے اپنے کو ملت کے تصور سے الگ کر کے جمہوریت کے قومیت کے تصور کے تحت سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اب بھی بعض لیڈر حضرات آئے دن یہ بیان دیتے رہتے ہیں کہ موجودہ پاکستان میں ایک قوم نہیں بلکہ چار قومیں بس رہی ہے پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان حالانکہ اسلام کے تصور ملت کے تحت یہ ایک ہی قوم ہے۔ جب ہمارے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قومیت اور وطنیت کے بتوں کی پوجا کی ترغیب دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے علاوہ جمہور کی حاکمیت کا پرچار کیا جاتا ہے تو ان نام نہاد اسلامی جماعتوں کے لیڈروں کا خون کیوں نہیں کھولتا۔ اور کیوں ان کی زبانیں اس کے خلاف بیان دینے میں گنگ ہو جاتی ہیں۔ بات دراصل اسلام کی نہیں بلکہ جمہوریت کی ہے جس کو یہ لوگ مغربی اور امریکی استعمار کی تقلید میں ملک میں مضبوط (Stabletize) کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ

۱۔ جمہوری نظام میں حاکمیت عوام کی نہیں ہوتی اور نہ ہی جمہور کی ہوتی ہے۔ (جمہور کی حاکمیت کا صرف ایک دعوی ہے) بلکہ ان پیشہ ور سیاست دانوں کی ہوتی ہے جو ہر وقت عوام کی رائے سے کھیلتے اور عوام کو اس نعرہ سے اُلو بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ جمہوریت میں عوام کا اختیار صرف ووٹ دینے کا ہے۔ ووٹ حاصل کرنے کے بعد جب منتخب شدہ اراکین اسمبلی۔ اسمبلی میں جاتے ہیں تو حاکمیت اعلیٰ ان کی بن جاتی ہے۔ پھر عوام کی نہ تو کوئی حاکمیت رہتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی اختیار۔ وہ بے چارے بے بس ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ جو ممبران اسمبلی کہلاتے ہیں ذرائع ابلاغ اور دولت کے وسائل پر قابض ہو کر اپنی خواہشات کے مطابق قانون سازی کرتے ہیں۔ اس مدت میں اگر عوام کے مفادات کے خلاف بھی قانون بنائیں جو وہ اکثر بناتے ہیں تو عوام ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسی وجہ سے ہمارے اسلامی اور غیر اسلامی سیاست دان جمہوریت سے چمٹے رہنا پسند کرتے ہیں اور دن رات اپنی تقریروں دل میں اس کی مضبوطی کا رونا روتے رہتے ہیں۔

۲۔ ہمارے لیڈروں کی جمہوریت سے وابستگی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جمہوریت میں سیاست ایک نفع بخش کاروبار ہے۔ اس میں کوئی سیاست دان یا لیڈر اگر کسی اقتدار پر براجمان ہو جائے تو چند دنوں میں اس کی کایا پلٹ جاتی ہے کیونکہ دولت کے وسائل پر قابض ہو کر یا ہارس ٹریڈنگ (Horse Trading) کے ذریعے اتنی دولت اکٹھی کر لیتا ہے کہ پھر اس لیلائے اقتدار سے ہم کنار ہونے کے لئے اس کے پاس کافی سرمایہ اکٹھا ہو جاتا ہے اور پھر ساری عمر وہ سیاست بازی کا شوق پورا کرتا رہتا ہے۔ لہذا جو کاروبار اتنا منافع بخش ہو اس کو یہ لوگ کیوں چھوڑ دیں، کیونکہ قوم کو اُلو بنا کر کم مدت میں اتنی زیادہ دولت کمانے کا اور کوئی نسخہ کیمیا الیکشن اور جمہوریت نہیں ہے۔

۳۔ اکثر سیاسی لیڈر اور علماء کرام کو سرے سے اس بات کا علم ہی نہیں کہ جمہوریت ایک نظام کفر

ہے۔ اور اسلامی نظام خلافت اور مغربی جمہوریت میں کتنا بعد ہے۔ وہ بیچارے جمہوریت کو صرف اکثریت کی حکومت ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے پس پردہ جو جمہوری نظام کار فرما ہے جس کی طرف ہم نے گذشتہ صفحات میں کچھ اشارہ کیا ہے، اس سے وہ قطعی طور پر ناآشنا ہیں۔ لہٰذا وہ جمہوریت کو اسلامی اصولوں پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ ایک تو مغربی اور امریکی حکومتوں کی آشیر باد رہے دوسرے انہیں الیکشن لڑنے کی آسانی رہے کیونکہ اسلامی نظام خلافت میں آج کل کے یہ لیڈر قوم وملت کے راہ نما بننا تو بڑی بات ہے ان کے حاشیہ بردار اور چپڑاسی ہونے کے بھی قابل نہیں۔ پھر ان جاگیرداروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں میں جو اخلاقی اور دینی خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کی وجہ سے یہ الیکشن میں امیدوار ہونے کے بالکل نہیں ہیں۔ اس وجہ سے انہیں جمہوریت اچھی لگتی ہے جو ان کے سارے اخلاقی عیوب کو اپنے دامن عفو میں چھپا کر ہر بار رکن اسمبلی بنوا دیتی ہے۔ اور اسلامی نظام انہیں وارہ نہیں کھاتا کیونکہ اسلامی نظام ریاست میں نہ وہ رکن اسمبلی ہوسکتے ہیں اور نہ انہیں اور کوئی عہدہ مل سکتا ہے۔

اور ہمارے علماے کرام ان کو بھی اسلامی نظام وارہ نہیں کھاتا کیونکہ اسلامی نظام ریاست میں کوئی سیاسی جماعت نہیں۔ اور نہ کوئی الیکشن وغیرہ ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنی الگ کوئی سیاسی جماعت نہیں بنا سکتے اور نہ ہر چار پانچ سال کے بعد اپنی جماعت کو الیکشن کی بھٹی میں جھونک کر دولت سمیٹ سکتے ہیں۔

کچھ لیڈران کرام کو یہ خطرہ ہے کہ اگر واقعی اسلامی نظام آگیا تو ان کی بڑی بڑی جاگیریں جو سیاسی غداری کے عوض انہیں انگریزوں سے ملی تھیں اور جن کی وجہ سے وہ آج سیاسی قطب مینار بنے ہوئے ہیں اور اپنے مزارعوں کا خون چوس کر اپنی ناجائز دولت کے باعث ملت اسلامیہ کی تقدیر کے مالک بنے ہوئے ہیں، سب ضبط ہوجائیں گی۔ علاوہ ازیں ان کے دوسرے سیاسی مفادات اور اقدار کو بھی اسلام سے سخت خطرہ لاحق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام کے نعرہ کے بغیر ان کا سیاسی کاروبار نہیں چل سکتا۔ اس وجہ سے اسلام کے نعرہ کی آڑ میں جمہوریت کو ہی عین اسلام یا اسلامی جمہوریت ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور بیچاری قوم ان کے ان جھوٹے نعروں کے فریب میں آجاتی ہے۔ حالانکہ نہ وہ اسلام چاہتے ہیں اور نہ ان کی روزمرہ کی زندگی میں اسلام کا کوئی جزا ثومہ نظر آتا ہے۔ ان کو اسلام سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ نام نہاد علماء جو صرف اور صرف خلاف اسلام پارٹیوں سے تعاون کرتے ہیں اور ان کے غیر اسلامی نظریات کی بالواسطہ یا بلاواسطہ حمایت کرتے ہیں ان کو اسلامی نظام سے کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔ جو پارٹی بھی جمہور کی حاکمیت جیسے نظریہ پر یقین رکھتی ہے۔ جو کہ خالص شرک ہے، اس کے ساتھ اگر اسلامی نظام کے قیام کا دعوی کرنے والے علماء اگر تعاون کرکے اس خیال میں مبتلا ہیں کہ وہ ملک میں اسلامی نظام نافذ کروالیں گے، وہ احمقوں کی جنت میں بس رہے ہیں۔

۴۔ کچھ سیاست دان بیرونی طاقتوں کے ایجنٹ ہونے کے ناطے ملک مین جمہوریت کے خواہاں ہیں کیونکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان لادینی سیاسی نظریات میں الجھے رہیں اور بیرونی طاقتوں کو ملک میں

(بقیہ ص ۱۲ پر)

البنایہ شرح ہدایہ (عربی)

یہ علامہ عینی مصریؒ شارح بخاری کی تصنیف ہے۔ ہدایہ کی تمام شروح کی نسبت زیادہ مفصل۔ نافع اور جامع ہے۔ ہدایہ کی عبارت حل کرنے اور فقہ وحدیث کے مباحث لانے میں بے مثال ہے، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

" وھو من انفع الشروح حلا لغوامض الکتاب ثم جمعًا بین ابحاث الفقہ و الحدیث (مقدمہ نصب الرایۃ ص۱۵)" اور حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی دامت برکاتہم لکھتے ہیں۔

" وشرحہ ھذا یفوق علی شروح الآخرین فانہ جعل الکتاب ممزوجا فی شرحہ لا یترک کلمۃ الا شرحہا ولا معضلۃ الا فتحہا۔ یسوق الدلائل ویوضح المسائل ویبین اللغات ویظہر التراکیب واعراب الکلمات ویستدل بالاحادیث والآثار ویتکلم فی رواۃ الاخبار ولا یصطبر قلمہ السیال حتی یبین کل ما یحتاج الیہ الطالبون وفحول الرجال (مقدمۃ البنایۃ ص۶)

ہدایہ کی یہ بے بدل شرح تصحیح کے پورے اہتمام اور بقدر ضرورت عربی حاشیہ کے ساتھ ہمارے ہاں زیر طبع ہے۔ حاشیہ میں احادیث کی تخریج بھی ہے۔

ہدایہ جزو اول کتاب الحج کے آخر تک پانچ ضخیم جلدیں (تقریباً اڑھائی ہزار صفحات) طبع ہو چکی ہیں۔ باقی زیر تصحیح وطباعت ہیں۔ پانچ مجلد جلدوں کی عام قیمت -/۸۷۰ روپے ہے۔

اہلِ علم کیلئے خاص رعایت ہوگی ÷۔

ناشر

مکتبہ حقانیہ

ٹی بی ہسپتال روڈ۔ ملتان پاکستان

فون نمبر ۴۱۰۹۳

طنزومزاح

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات انکی

★ تحریک چلا کر حکومت اٹھانا تخریب کاری ہے۔ (گورنر سروپ)

تو پھر سب سے پہلے تخریب کاری ذوالفقار علی بھٹو نے کی تھی۔

★ اسلامی نظام لاؤں گا۔ (نواز شریف)

آپ کا اسلامی نظام تو منہاج القرآن والے لے گئے۔

★ پیرو کے صدر کو کتے نے کاٹ لیا۔ (ایک خبر)

صدر کے ساتھ رہ کر کتے کی عادتیں بھی خراب ہو گئیں۔

★ ٹیکس بڑھانے کی بجائے جاگیرداروں پر لگایا جائے۔ (محبوب الحق)

لگدا تے ہے........، لا ویکھو!

★ اپنی قوالیوں پر بے ہودہ ڈانس دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے۔ (نصرت فتح علی خان)

قوالی پر ڈانس ہی تو ہوتا ہے۔ اور لوگ سجدے کریں؟

★ اس سے زیادہ تو ہمیں اوپر دینا پڑے گا۔ ڈاکوؤں نے بس لوٹی اور رقم واپس کر دی۔ (ایک خبر)

اصول اپنے اپنے، کام اپنا اپنا

★ کراچی میں بڑی حد تک امن قائم ہو گیا ہے۔ (وزیر اعظم)

جھوٹے کا منہ کالا!

★ (سکھر) مزدور نے سائیکل بیچ کر بچوں کے لئے عید کی خوشیاں خریدیں (ایک خبر)

پاک سٹیل بچارو پارٹی (پی پی پی) نے غریبوں کا مقدر بدل دیا ہے۔

★ کلچرل پروگرام میں عابدہ پروین کو بھی ضرور آنا چاہیئے۔ (نکی کا، رعنا شیخ سے مکالمہ)

لیڈیز اون چانس!

★ (گوجرانوالہ) وجد کی رات قوالوں نے سماں باندھ دیا۔ نوٹوں کی بارش میں قلندری دیوانوں کی دھمال! (ایک خبر)

اسی آں دیوانے تیرے مال دے!

★ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کی کلاسیں۔ بے نظیر اور شیخ رفیق۔ (ایک خبر)

وزراء اور عہدیداروں کو لیکچر دیں گے۔

لوٹ مار کے جدید گر سکھائے جائیں گے۔

★ کشمیر میں پاک بھارت جھڑپیں اور ورلڈ کپ میں ہاتھوں میں ہاتھ (ایک خبر)
حکمرانوں کے ہاتھوں قومی غیرت کا جنازہ

★ موجودہ نظام سے سمجھوتہ، ضمیر کا بوجھ بن گیا ہے۔ (فضل الرحمن)
ضمیر ثابت رہا اگر تو تمہارے حق میں زوال ہوگا۔

★ حکومت کا مقصد عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دینا ہے۔ (انور سیف اللہ)
قتل و غارت گری۔ ناچ گانے اور فاشی و عریانی کی سہولتیں!

★ پولیس شر پسند عناصر پر کڑی نظر رکھے! (نگئی)
یعنی حصہ پتی انصاف سے تقسیم کرے۔

★ ورلڈ کپ۔ رعنا شیخ لوٹ مار میں بازی لے گئیں۔ ۴ کروڑ آئے گا۔ (ایک خبر)
لوٹ مار چھین شاد باد۔ منزل مراد!

★ آمریت کے طوطوں کو جمہوریت راس نہیں آئی۔ (مشتاق اعوان)
جمہوری گرگٹوں کو دونوں راس ہیں۔

★ بچہ بچہ جانتا ہے کہ آصف زرداری کرپشن میں ملوث ہے۔ (مرتضٰی بھٹو)
سالے بہنوئی کا معاملہ ہے۔ ہم کیا جانیں؟

بخاری اکیڈمی ملتان کی اہم مطبوعات

صاحب طرز ادیب، مفکر احرار چودھری افضل حق کی خود نوشت سوانح

میرا افسانہ

قیمت:-/۱۱۰ روپے
رعائتی قیمت:-/۶۰ روپے، ڈاک خرچ:-/۱۰ روپے

تحقیق کی دنیا میں علماء اور داشوروں سے داد تحسین وصول کرنے والی اہم، تاریخی اور تہلکہ خیز کتاب

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر
ایک نئے مطالعے کی روشنی میں

بے پناہ اضافوں کے ساتھ دوسرا اور نیا ایڈیشن
مصنف: مولانا صفیق الرحمن سنبھلی قیمت:
مقدمہ: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی -/۱۵۰ روپے

مفکر احرار چودھری افضل حق کی تین شاہکار کتابوں کا مجموعہ

دیہاتی رومان
مشوقۂ پنجاب
شعور

قیمت:
-/۳۵۰ روپے

عظیم مجاہد آزادی، فدائے احرار

مولانا محمد گل شیر شہید

● سوانح ● افکار ● خدمات

مؤلف: محمد عمر فاروق۔ صفحات ۴۰۴۔ قیمت:-/۱۵۰ روپے

بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱

ادارہ تالیفات اشرفیہ کی چند اہم مطبوعات

بیرون بوہڑ گیٹ ۔ ملتان فون: 40501

عام فہم اردو تفسیر پاکستان میں پہلی بار

حل القرآن

بامحاورہ ترجمہ:
حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی
تفسیر: حضرت مولانا علامہ حبیب احمد کیرانوی
بعنی لفتا مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند

یہ تفسیر حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی کی نظر میں

میں نے اس تفسیر کو شروع سے ختم تک حرفاً حرفاً دیکھا ہے جو خصوصیات میرے ذہن میں ہیں ان کو لکھتا ہوں۔

۱۔ ترجمہ سلیس و شگفتہ ہے جس میں لغت و محاورہ دونوں کی کافی رعایت ہے۔
۲۔ تفسیر اتنی مختصر ہے کہ مقصود میں مخل ہو نہ ایسی طویل کہ ناظرین کے لئے ممل (اکتا دینے والی)۔
۳۔ تفسیر کی تقریر ایسے انداز سے کی گئی ہے کہ اس سے اجزاء قرآنیہ میں نہایت لطیف ارتباط بھی ظاہر ہو گیا ہے۔
۴۔ بعض جگہ میرے حواشی بھی ملیں گے جن میں بعض حواشی سے میرا جوش وجد ظاہر ہو گا جو غایت استحسان سے ناشی ہوا۔ (ملخصاً التقریظ)

کامل دو جلد قیمت ۵۲۵/- روپے

نسیم الریاض (عربی)

مع حاشیہ شرح الشفاء لملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ
کامل چار جلد کلاں خوبصورت مصری ٹائپ { پاکستان میں پہلی بار طبع ہو چکی ہے قیمت: ۱۲۰۰/- روپے

تفسیر انوار البیان

از: مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہری
چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں قیمت فی جلد ۲۴۰/- روپے

ملفوظات حکیم الامت
کامل دس جلد قیمت ۹۲۰/- روپے

اشرف السوانح
حضرت تھانوی کی مکمل سوانح حیات
کامل سیٹ ۳ جلد قیمت ۵۵۵/- روپے

کلید مثنوی
مولانا روم کی مثنوی مستند اردو شرح! از حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
کامل ۲۴ حصے قیمت کامل سیٹ ۹۹۵/- روپے

تحفۃ العلماء
دینی مدارس اور مدرسین و متعلمین کے لیے بہت اہم کتاب
از حضرت تھانوی رحمہ اللہ
کامل دو جلد قیمت ۲۲۰/- روپے

اشرف الجواب
کامل تین حصے قیمت ۱۶۵/- روپے

تسہیل المواعظ
حضرت تھانوی کے باون خطبات کا مجموعہ
کامل دو جلد قیمت ۲۱۵/- روپے

بہشتی زیور
(جدید ایڈیشن) مکمل و مدلل جدید حاشیہ کے ساتھ۔ اعلیٰ کاغذ خوبصورت جلد (ڈبہ کی پیکنگ میں)
قیمت: ۳۰۰/- روپے

اصلاح خواتین
از حضرت تھانوی قیمت ۱۶۵/- روپے

اصلاحی نصاب
از حضرت تھانوی قیمت ۱۴۲/- روپے

امثال عبرت
از حضرت تھانوی رحمہ اللہ قیمت ۱۳۲/- روپے

دینی دسترخوان
{جدید اسلامی انسائیکلوپیڈیا}
کامل ۲ جلد قیمت ۵۵۵/- روپے

ہماری عربی مطبوعات

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک رحمہ اللہ
کامل ۱۵ جلد قیمت ۳۰۰۰/- روپے

السنن الکبریٰ (بیہقی)
کامل ۱۰ جلد قیمت ۱۹۹۵/- روپے

تفسیر البغوی (معالم التنزیل)
کامل ۲ جلد قیمت ۹۹۹/- روپے

خطبات حکیم الامت

۲۵ جلدوں میں
تقریباً پندرہ ہزار صفحات
قیمت کامل سیٹ ۳۹۰۰/-

۱۔ دنیا و آخرت
۲۔ علم و عمل ۳۔ دین و دنیا
۴۔ حقوق و فرائض
۵۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۶۔ نظام شریعت
۷۔ حقیقت عبادت
۸۔ حقیقت مال و جاہ
۹۔ فضائل صبر و شکر
۱۰۔ فضائل صوم و صلوٰۃ
۱۱۔ حقیقت تصوف و تقویٰ
۱۲۔ محاسن اسلام
۱۳۔ دعوت و تبلیغ
۱۴۔ جزا و سزا ۱۵۔ تسلیم و رضا
۱۶۔ برکات رمضان
۱۷۔ سنت ابراہیم ۱۸۔ مفاسد گناہ
۱۹۔ آداب انسانیت
۲۰۔ حقوق الزوجین
۲۱۔ تدبیر و توکل ۲۲۔ ذکر و فکر
۲۳۔ راہ نجات
۲۴۔ موت و حیات
۲۵۔ حدود و قیود

نوٹ: اس فہرست کی مکمل کتب خریدنے پر خصوصی چالیس فیصد رعایت دی جائے گی۔ مکمل فہرست مفت طلب کریں۔

آخری قسط

مولانا ابوریحان عبدالغفور، بنام ماسٹر محمد امین

نیز اس لئے بھی اس کو غلط اور اکابر کے مسلک کے خلاف نہیں کہا جاسکتا کہ یہ شخص بھی یزید کو عادل و صالح کہہ کر بعینہ وہی کچھ کہتا کرتا ہے جو کچھ اکابر نے اس کو فاسق و فاجر کہہ کر کہا اور کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یزید کی خلافت و بیعت سے متعلق صحابہؓ میں اختلاف تھا، ایک جماعت اگر اس کے حق میں تھی تو دوسری جماعت اس کے خلاف تھی۔ ایسی صورت میں یزید کو فاسق و فاجر کہا جائے یا عادل و صالح کسی صورت بھی صحابہؓ کے دونوں موقف صحیح نہیں بنتے بلکہ صرف کوئی ایک ہی صحیح بنتا اور اس کے مدمقابل دوسرا لازماً غلط ہی قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اگر اس کو فاسق و فاجر اور زانی و شرابی وغیرہ کہا جائے تو اس کی خلافت و بیعت سے اختلاف کرنے والے صحابہؓ کا موقف تو بظاہر صحیح بن جاتا ہے لیکن اس سے اتفاق کرنے والے صحابہؓ کا موقف غلط ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ ایک فاسق و فاجر اور زانی و شرابی کو باختیار خود خلیفہ بنانا، ماننا اور اس کی بیعت و اطاعت کرنا صرف غلط ہی نہیں بلکہ گناہ بھی ہے۔ اور اگر اسکو صالح و عادل کہا جائے تو اس کی خلافت و بیعت سے اتفاق کرنے والے صحابہؓ کا موقف تو صحیح بن جاتا ہے لیکن اس سے اختلاف کرنے والے صحابہؓ کا موقف، غلط قرار پاتا ہے کیونکہ ایک صالح و عادل خلیفہ کو خلیفہ نہ ماننا، اس کی بیعت و اطاعت نہ کرنا اس سے بھی بڑھ کر بیعت کر کے توڑ دینا اور اس کے خلاف خروج کرنا کرانا غلط اور گناہ ہے۔

ایسی صورت میں کوئی شخص، یزید کو فاسق و فاجر کہے یا عادل و صالح اسکو صحابہؓ کے ان دونوں موقفوں میں سے کسی ایک موقف کی کوئی مناسب تاویل ضرور کرنی پڑیگی۔ چنانچہ اکابر علماء اہل السنۃ نے یہی کیا ہے کہ یزید کو فاسق و فاجر کہہ کر حضرت حسینؓ وغیرہ کے موقف کو تو صحیح بنالیا اور حضرت معاویہؓ وغیرہ کے موقف کی تاویل کرلی۔ لہذا اگر کوئی شخص، یزید کو صالح و عادل کہہ کر حضرت معاویہؓ وغیرہ کے موقف کو تو صحیح بنا لے اور حضرت حسینؓ وغیرہ کے موقف کی تاویل کر لے تو وہ بعینہ اکابر کے طریقہ کار کی ہی پیروی کرنے والا سمجھا جائیگا، اس کی مخالفت کرنے والا اس کو ہرگز نہ کہا جائیگا کیونکہ اس نے بنیادی طور پر وہی کچھ کیا ہے جو کچھ اکابر نے کیا تھا۔ اکابر نے بھی یزید کو فاسق و فاجر کہہ کر ایک موقف کو صحیح بنایا اور دوسرے کی تاویل کی تھی اس نے بھی اس کو صالح و عادل کہہ کر ایک موقف کو صحیح بنایا اور دوسرے کی تاویل کی ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یزید کے فسق و عدل کی بحث سے اکابر کا مقصود اصلی اس کی تفسیق و تعدیل نہیں بلکہ صحابہؓ کے ان موقفوں کی تصحیح و تاویل ہے جو انہوں نے یزید کی خلافت و بیعت سے متعلق اختیار کئے تھے۔ کیونکہ جب اس کو فاسق و فاجر یا عادل و صالح کہنے سے صحابہؓ کے دونوں موقف صحیح بنتے ہی نہیں بلکہ کوئی ایک ضرور غلط ہی ٹھہرتا ہے تو اکابر نے اس کی تفسیق و تعدیل کو مقصود اصلی بنا کر، کرنا ہی کیا تھا۔ لہذا صحابہؓ کے موقفوں کی تصحیح و تاویل کی بجائے یزید کے فسق و عدل کو اپنا مقصود اصلی بنا لینا، اسی کو ہر کسی سے اپنے اتفاق و اختلاف کی بنیاد ٹھہرانا، اسی کے حوالہ سے اپنی جماعت میں تفریق پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ بجائے خود اکابر کے اصلی

مقصود اور بنیادی مسلک سے انحراف ہے۔

۱۳۔ آپ نے اکابر کی عبارتیں نقل کر کے مولانا محمد امین صاحب اور کرئی سے یہ پوچھا ہے کہ "مولانا ارشاد فرمائیے یہ بزرگ سب رفض و تشیع کی خدمت ہی کرتے رہے۔" (جوابی مضمون ص ۳)

لیکن مولانا محمد امین صاحب نے تو آپ کے مضمون کی بابت لکھا تھا کہ اس میں "یزید کے بارے میں سنیت و حنفیت سے زیادہ رفض و تشیع کی ترجمانی کی گئی ہے۔" انہوں نے ان اکابر کے بارے میں تو نہ لکھا تھا۔ اور آپ کے مضمون کے بارے میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے بالکل صحیح لکھا ہے۔ اس سے اکابر کے بارے میں بھی انکا یہی کچھ لکھنا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ آپ کے مضمون اور اکابر کے لکھے ہوئے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً

الف۔ اکابر نے یزید کو فاسق و پلید صرف لکھا ہے یہ کچھ اس کو زبردستی بنایا نہیں ہے جبکہ آپ نے تو محض تاریخی موضوعات و مکذوبات بلکہ خرافات و لغویات کی بنیاد پر اسکو فاسق و فاجر اور زانی و شرابی وغیرہ بنانے پر اپنا سارا زور لگا دیا ہے اور برابر لگائے جا رہے ہیں۔

ب۔ آپ نے اپنے مضمون میں یزید کو صرف فاسق و فاجر ہی نہیں لکھا بلکہ اس سے متعلق کسی امام باڑے کی پوری مجلس پڑھی بلکہ پٹوائی ہے جبکہ اکابر کی عبارتوں کا اس سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں نہ اس مجلس خوانی کا وہاں کوئی اتا پتا ہی ہے۔

ج۔ اکابر نے اس مسئلہ میں اختلاف نہ صرف برداشت کیا بلکہ خود اس کا قدیماً و حدیثاً اختلافی ہونا بیان کیا پھر جانبین کو حق، صحیح اور موافق اصول بھی کہا بلکہ دونوں طرف دلائل کا نصوص سے بکثرت موجود ہونا بھی بتایا۔ جبکہ آپ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ تو ادارہ الخیر کا ایک چند سطری اختلافی نوٹ۔۔۔ اختلافی نوٹ بھی نہیں بلکہ صرف ایک وضاحت۔۔۔۔۔ اور وہ بھی عربی میں برداشت نہ کر سکے۔ اور محققین اہل سنت کے محقق مسلک کے منور چہرہ پر رافضیت و سبائیت یا بدترین مداہنت کی کالک ملوا کے ہی دم لیا۔ کیا اکابر کا بھی طریق اس سلسلہ میں یہی تھا؟

پھر اس کے علاوہ بھی کئی بنیادی فرق ہیں آپ لوگوں کے طرز عمل اور اکابر کے طرز عمل میں۔ مثلاً

الف۔ اکابر نے یزید کو فاسق کہا ہے لیکن دوسروں پر اس کو فاسق کہنا ایسا ٹھونسا نہیں جیسا آپ لوگ ٹھونس رہے ہیں کہ جو اس کو فاسق و فاجر نہ کہے وہ، آپ کے نزدیک دیوبندیت اور دیوبندی مدارس سے اخراج کا مستحق اور یزیدی و خارجی اور ناصبی جیسے فتووں کا حقدار ٹھہرتا ہے۔

ب۔ اکابر نے اس کو فاسق کہا لیکن نہ تو سنی عقیدہ کے طور پر اس کا پرچار کیا اور نہ اس کے فسق و فجور کی ترویج و اشاعت کو باقاعدہ اپنا مشن ہی بنایا، نیز نہ اپنی جماعت کے لوگوں سے اپنے اتفاق و اختلاف کی بنیاد اس کو بنایا اور نہ اس کے حوالہ سے اپنی جماعت میں تفریق ہی پیدا کی۔ جبکہ آپ لوگ یہ سب کچھ بڑے اہتمام سے کر رہے ہیں۔ آپ کے پیر و مرشد کی تو اس سلسلے میں آخری بات ہی اپنے سے اختلاف کرنے والوں کی بابت یہ ہوتی ہے کہ وہ "اگر یہ اعلان کر دیں کہ وہ یزید کو فاسق تسلیم کرتے ہیں تو ہمارا ان سے اختلاف ختم ہو جائیگا۔" حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب خطیب اسلام آباد، مولانا عطاء المحسن شاہ صاحب اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش مرحوم وغیرہ سے

اس کے علاوہ اور کیا اختلاف ہے آپ کے پیر و مرشد کا؟ کیا اکابر نے بھی یزید کا فسق و فجور لوگوں سے یوں تسلیم کرایا تھا؟

اس لئے اس سلسلے میں آپ اکابر کی بات نہ کریں بلکہ اپنی بات کریں۔ ان اکابر پر مولانا امین صاحب کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا آپ ان پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مولانا امین صاحب بھی ان اکابر کو زیادہ نہیں تو کم از کم اتنا تو ضرور ہی سمجھ سکتے ہیں جتنا انکو سمجھنے کا آپ دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اور زیادہ نہیں تو کم از کم آپ جتنے متبع تو وہ بھی ان کے ہیں ہی۔ نیز ان کی عبارتوں کی توضیح و تشریح اور تنقیح و تحقیق کا حق اور ملکہ بھی کم از کم آپ جتنا تو ان میں بھی ہے ہی۔ یہ اکابر کے مسلک و مشرب اور ان کے عقیدے و نظریے سے اتفاق و اختلاف وغیرہ کا مسئلہ نہیں بلکہ ان کی عبارتوں کی توضیح و تشریح اور تنقیح و تحقیق کا مسئلہ ہے جس میں ایک مولانا محمد امین کا دوسرے مولانا محمد امین سے اختلاف ہے۔ اصل عقائد و نظریات میں اکابر کی پیروی و عدم پیروی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ چنانچہ آپ نے جو عبارتیں نقل کی ہیں ان میں سے بعض تو عبارتوں پر ہی کلام ہو سکتا ہے۔ اور بعض سے آپ کے استدلال پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ مثلاً

الف۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اس میں یزید کے فسق و فجور کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ پھر اسمیں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ شہادت حسینؓ کے بعد "تمام اسلامی ممالک میں خون شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔" یہ بالکل غلط اور تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ واقعہ کربلا کے پانچ سال بعد ۶۶ھ میں مختار ثقفی جیسے معمولی، بے دین اور اہل بیت کے دشمن انسان نے اپنے ہی اقرار کے مطابق محض حصول دنیا کیلئے یہ مطالبہ کیا تھا۔ ۶۶ھ سے پہلے نہ کوئی مطالبہ تاریخ میں ملتا ہے اور نہ اس حوالہ سے کوئی بغاوت ہی نظر آتی ہے۔ کربلا کے بعد سب سے پہلا واقعہ، حرہ کا واقعہ ہے۔ اہل مدینہ سے آپ نے یزید کو فاسق و فاجر زانی، شرابی۔ بندر باز اور رنڈی باز سب کچھ کہلوایا لیکن خون شہداء کا مطالبہ برائے نام آپ بھی ان سے نہ کہلوا سکے۔ اس کے بعد واقعہ مکہ پیش آیا وہاں بھی آپ نے حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ سے یزید کے بارے میں وہ کچھ کہلوایا جو کچھ آپ ان سے کہلوا سکتے تھے لیکن خون شہداء کا مطالبہ بھول کر بھی آپ ان کی زبان سے نہ نکلوا سکے۔ اور واقعہ کربلا کے بعد کل یہی دو واقعے پیش آئے جن میں خون شہداء کا اشارۃً و کنایتہً بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اور ان دو واقعوں کے علاوہ یزید کے دور میں اور کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس کو خون شہداء سے متعلق ہی کیا جا سکے چہ جائیکہ اس کیلئے بغاوت کا نام اس کو دیا جائے؟

ب۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم کے آپ نے جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ یزید کے فسق و فجور پر "صحابہ کرام سب کے سب متفق ہیں خواہ مبالغین ہوں یا مخالفین الخ" یہ محض حکیم الاسلام کا اپنا ایک خیال ہے جسکا کوئی واضح ثبوت یا کوئی واضح قرینہ صارفہ عن الظاہر انہوں نے بیان نہیں فرمایا۔ یہ حکیم الاسلام نے مبالغین صحابہؓ کے اندر کی بات کی ہے اور اپنے اندر کی بات وہ صحابہؓ خود ہی بتا سکتے تھے تیرہ چودہ سو سال بعد قاری صاحب مرحوم یا کوئی اور نہیں بتا سکتا اور نہ کسی کی ایسی بے ثبوتی و بے قرینہ بات کسی اور کیلئے واجب التسلیم ہی ہے۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ خلاف ظاہر ایسی باتیں روافض کی ہی ان باتوں جیسی ہیں جو وہ حضرت علیؓ کے

بارے میں کرتے ہیں کہ بظاہر تو انہوں نے خلفاءؓ ثلاثہ کی بیعت کر لی تھی، ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے لیکن اندر سے وہ انکو (معاذاللہ) منافق اور ظالم و غاصب ہی جانتے مانتے تھے۔ فرمائیے! قاری صاحب کی اس بات میں اور رافضیوں کی اس بات میں کیا فرق ہے؟ کسی مستند آدمی کی ہر کتاب اور ہر بات ہی مستند نہیں ہوا کرتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ سے بڑھ کر حدیث میں کون مستند ہوگا۔ لیکن آپ ہی فرمائیں کہ ان کی صحیح بخاری کے علاوہ ان کی دیگر کتب خصوصاً جزء القراءۃ خلف الامام اور جزء رفع الیدین کو آپ کتنا مستند جانتے مانتے ہیں؟ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رحمہم اللہ) کی شہید کربلا ایسی ہی کتابوں میں سے ہیں جیسی امام بخاری کی جزء القراءۃ اور جزء رفع دیدین اور تاریخ کبیر وغیرہ۔ یہ نہ مستند ہیں اور نہ کسی مدمقابل کے خلاف قابل استدلال اور نہ ان کتابوں کی ایسی باتوں کا کوئی ایسا وزن ہی ہے کہ کسی مدمقابل پر انکا رعب بٹھایا جاسکے۔

مولانا! اگر ہر شخص کی ہر بات یوں سند کا درجہ حاصل کرنے لگ جائے تو پھر آپ کو صرف یزید کو ہی نہیں بلکہ اس کے باپ اور دادے کو بھی، پھر صرف فاسق ہی نہیں بلکہ العیاذ باللہ۔ کافر، منافق، ظالم، دشمن اسلام وغیرہ وغیرہ بھی ماننا پڑیگا۔ کیونکہ اہل السنتہ کے جھاص جیسے اکابر نے یہ سب کچھ ان کو لکھا اور بنایا ہے۔ آپ نے تو یزید کے صرف فسق پر اور صرف ایک درجن کے قریب حوالے دیئے ہیں۔ عبدالقیوم حلوی نے اس کے باپ اور دادا یعنی حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ اور دیگر بعض صحابہؓ تک کے صرف فسق نہیں بلکہ کفر و نفاق تک کیلئے ایک دو نہیں بلکہ ساٹھ سے بھی اوپر اکابرین اہلسنت کے حوالے دیئے ہیں۔ اور ایسے حوالے ہیں کہ آپ جیسے مناظرین اہلسنت سارے بھی جمع ہو جائیں تو ان اکابر کی اس بات کی تردید و تغلیط کے سوا اس کا کوئی اور معقول جواب نہیں دے سکتے۔ "یہ کیس عدالت میں ہے ابھی تک اس کے قانونی نقطوں پر ہی بحث ہو رہی ہے۔ اگر بات اکابر کی عبارتوں تک پہنچی تو عدالت کو ان صحابہ کے کفر و نفاق تک کا فیصلہ دینے میں بھی کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔ اور یہ سب فیض ہوگا اکابر کی ہی تصریحات و ارشادات کا۔" الخ

اس لئے اکابر کی بات وہ پیش کرنی چاہیئے جو مستند اور اصول و قواعد اہل السنتہ کے مطابق ہو۔ ایک بلادلیل دعوے کو اگر یکے بعد دیگرے دس بیس یا سو پچاس اکابر نقل کرتے چلے جائیں تو محض کثرت نقول سے وہ مدلل نہیں ہو جاتا۔ فسق یزید پر اتفاق کا دعویٰ ایسا ہی دعویٰ ہے جو بلادلیل ہی نہیں بلکہ خلاف دلیل بس نقل ہی ہوتا آرہا ہے۔ یہی مدعیان اتفاق دنیا کو بتاتے ہیں کہ یزید کو خلیفہ بنانے میں صحابہؓ و تابعین کا اختلاف۔ اس کو خلیفہ ماننے میں ان کا اختلاف، اسکی بیعت کرنے میں اختلاف، اس کے خلاف خروج کے جواز میں اختلاف، بالفعل خروج کرنے میں اختلاف۔ لیکن آگے یکدم دعوی کر دیتے ہیں کہ "فسق میں اتفاق"۔ کیا ایسے عجیب و غریب اختلاف و اتفاق کی انوکھی مثال دنیا کے کسی اور مسئلہ میں بھی ملتی ہے؟ جب تک سارے پہلے اختلافات بھی اتفاق میں تبدیل نہیں کر دیئے جاتے اس وقت تک فسق میں اتفاق کا دعویٰ محض بلادلیل اور غیر واجب التسلیم ہے۔ اس سلسلے میں بات حضرت گنگوہی کی ہی حق و صواب ہے باقی سب محض قیل و قال ہے۔

ج۔ آپ نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے یزید کو گمراہی و ضلالت کا شامی داعی لکھا ہے۔ اگر یہ عبارت

واقعی شاہ صاحب ہی کی ہے اور الحاقی نہیں ہے تو میرا آپ سے مطالبہ ہے کہ کسی قابل اعتماد سند سے یزید کی کوئی ایک دعوت الی الضلالۃ آپ پیش کریں، ہم تو اسکی ایک ہی دعوت جانتے ہیں جو اس نے غیر مبالعین اور خالعین کو دی تھی اپنی بیعت کی۔ اگر اس کی یہ دعوت، دعوت الی الضلالۃ ہے تو جنہوں نے اس کو خلیفہ بنایا، اس دعوت کا موقع اس کو فراہم کیا ان کے بارے آپ کا کیا فتویٰ ہوگا؟ وہ تو پھر یزید سے بھی بڑھ کر (العیاذ باللہ) داعی الی الضلالۃ ہوں گے؟ اور اگر اس کے علاوہ اس کی کوئی ایسی دعوت تاریخ میں محفوظ ہے جس کو گمراہی اور ضلالت کی طرف دعوت کہا جاسکے تو کسی قابل اعتماد سند سے اس کی نشاندہی فرمائیے۔ اس کے بعد آپ کو حق ہوگا شاہ صاحب کی اس عبارت سے استدلال کرنے کا۔

د۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب مرحوم اور حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی، مدظلہ کا جو حوالہ آپ نے دیا ہے وہ بے سود ہے۔ کیونکہ اس میں تو انہوں نے سرے سے فسق یزید کی بحث ہی نہیں چھیڑی بلکہ یزید کو خلیفہ عادل اور راشد قرار دیکر حضرت حسینؓ کو باغی قرار دینے کی سعی میں مصروف ہونے کی بات کی اور اس مجموعی نظریے کو اہل سنت و الجماعت کے نزدیک باطل کہا ہے۔ اور پھر اس مجموعی نظریے میں بھی مقصود اصلی حضرت حسینؓ کو باغی قرار دینے والا جزو ہے۔ کیونکہ ان کو باغی قرار دینا کچھ یزید کو عادل و راشد قرار دینے پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ کہنے والا یزید کو فاسق و فاجر کہہ کر بھی حضرت حسینؓ کو اس حوالہ سے باغی کہہ سکتا ہے کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک فاسق و فاجر متغلب حاکم وقت کے خلاف بھی خروج ناجائز اور اس کے شرعی احکام میں اس کی اطاعت واجب ہے۔ (نووی شرح مسلم ص۱۲۵/۲، فتح الباری ص۷، ۸، ۱۷/ج ۱۳، منہاج السنتہ ص۲۴۱/ج ۲، شرح عقائد مع النبراس ص۵۳۹، ازالتہ الخفاء ص۵۳۱ ج ۱ مترجم وغیرھا) اور بیعت کا مطالبہ یزید کا شرعی حکم تھا غیر شرعی نہ تھا۔ اسی طرح حضرت حسینؓ کو عادل قرار دینے کیلئے یزید کو فاسق و فاجر قرار دینا بھی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس کو عادل و راشد ٹھہرا کر بھی حضرت حسینؓ کو عادل ٹھہرایا جاسکتا ہے چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے "شہادت امام حسینؓ و کردار یزید" میں حضرت حسینؓ کے کربلائی موقف کی جو تشریح و توضیح فرمائی ہے۔ اس کے مطابق ان کے موقف کی صحت، یزید کے فسق و فجور پر موقوف نہیں رہتی، بلکہ وہ فاسق و فاجر ٹھہرے یا عادل و صالح قرار پائے۔ حضرت حسینؓ کا کربلائی موقف بہر صورت صحیح ہی رہتا ہے۔

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کربلائی موقف کا صحیح یا غلط ہونا نیز خود ان کا بھی عادل یا باغی ہونا یا یہ کچھ انکو اور انکے اس موقف کو کہنا، یزید کے فسق و عدم فسق پر موقوف ہی نہ ہوا تو مفتی جمیل احمد صاحب اور مفتی عبدالشکور صاحب نے اس سلسلہ کے جس نظریہ کو یہاں اہل سنت و الجماعت کے نزدیک باطل کہا ہے اس میں مقصود اصلی بھی یزید کو صالح و راشد قرار دینے والا جزو نہ ہوگا بلکہ حضرت حسینؓ کو باغی قرار دینے والا جزو ہوگا۔

الغرض ان حضرات مفتیان کرام نے یزید کو عادل و راشد خلیفہ قرار دیکر حضرت حسینؓ کو باغی قرار دینے والے مجموعی نظریے کو اہل سنت و الجماعت کے نزدیک باطل کہا ہے اور اس مجموعی نظریے کو مولانا محمد امین صاحب اور کوئی بھی بالکل وہی کچھ کہتے ہیں جو کچھ ان مفتیان کرام نے کہا ہے۔ لہذا ان حضرات کی عبارت سے مولانا کے خلاف آپ کا یہ استدلال محض بے سود و بے اثر ہے۔

رہیں باقی اکابر کی عبارتیں؟ تو ان میں اگرچہ یزید کے فسق و سق کا ذکر ہے لیکن آپ نے تو انکی طرح اس کو فاسق و فاجر نہیں کہا بلکہ روافض کی طرح اس کے فسق و فجور اور شراب نوشی و زناکاری پر پوری مجلس پڑھی ہے۔ اور مولانا محمد امین صاحب اور کزئی کا اعتراض بھی آپ کی اس افضیانہ مجلس خوانی پر تھا محض یزید کو فاسق و فاجر کہنے پر نہ تھا۔ آپ نے اگر حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی وغیرہ (رحمہم اللہ) کی طرح اس کو فاسق وغیرہ کہا ہوتا تو مولانا اور کزئی کو آپ پر بھی سنیت و حنفیت سے زیادہ رفض و تشیع کی ترجمانی کا اعتراض اسی طرح نہ ہوتا جسطرح حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی جیسے اپنے اکابر (رحمہم اللہ) پر ان کو نہیں۔ لہذا اکابر کی یہ عبارتیں نہ آپ کو مفید ہیں اور نہ مولانا اور کزئی کو مضر۔

۱۴۔ آپ نے یزید اور اس کی خلافت و بیعت سے اختلاف کرنے والے صحابہؓ و تابعین کا آپس میں تقابل کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد امین صاحب سے پوچھا ہے کہ

"یزید فاسق تھا اور اس کے مدمقابل حضرت امام حسینؓ، مدینہ کے مہاجرین و انصار صحابہ کرام، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور مکہ مکرمہ کے دیگر صحابہ و تابعین عادل تھے، آپ نے یزید کے فسق کا تو انکار فرمایا، اب اس کے مدمقابل سب صحابہ کرامؓ کو آپ غلط کار، باغی اور فاسق کہتے ہیں یا کیا۔ بات تو پوری بتانی چاہیئے۔" (جوابی مضمون ص ۳)

آپ نے اپنے اس سوال میں حقیقت پسندی کی بجائے مناظرانہ ہنر مندی اور سیاسیانہ منصوبہ بندی سے کام لیا ہے، جسے آپ خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لئے اسکی تفصیل میں جائے بغیر عرض ہے کہ آپ کے اس سوال کا کماحقہ جواب تو مولانا اور کزئی صاحب ہی دیں گے لیکن میں بھی چونکہ انکو خوب اچھی طرح جانتا ہوں، ان کے عقائد و نظریات سے خوب اچھی طرح واقف ہوں اس لئے پوری ذمہ داری اور پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ انہوں نے بقول آپ کے اپنے خط میں یزید کے فسق کا انکار کیا ہے یا نہیں، اس سے قطع نظر، وہ، یزید کے مدمقابل تمام صحابہ کرام کو یقیناً عادل ہی کہتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی (العیاذ باللہ) غلط کار، باغی اور فاسق نہ کہتے ہیں، نہ مانتے ہیں اور نہ کسی سے ان کے بارے میں ایسے الفاظ سن ہی سکتے ہیں۔۔۔۔ اب فرمایئے! آگے آپ کیا کہتے ہیں؟ اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دو آدمی یا دو جماعتیں آپس میں لڑیں۔ قتل و قتال تک نوبت پہونچے اور ان میں سے غلط کار، باغی اور فاسق کوئی بھی نہ ہو۔ تو میں عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ نہیں ہو سکتا اور دو مدمقابلوں میں سے کسی ایک کا غلط کار، باغی اور فاسق ہونا آپ کے نزدیک ضروری ہی ہے تو بسم اللہ کیجئے اور درج ذیل مدمقابلوں میں ذرا غلط کار، باغی اور فاسق کی تعیین کر کے دکھایئے۔

الف۔ جنگ جمل و صفین میں حضرت علی، اور حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ و ہزاروں صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) آپس میں مدمقابل ہوئے، بلا کا رن پڑا، قتل و قتال تک نوبت پہنچی کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ فرمایئے! حضرت علیؓ ان جنگوں میں آپ کے نزدیک حق پر اور خلیفہ راشد و عادل تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تصریح فرمایئے۔ اور اگر تھے تو فرمایئے ان کے مدمقابل ہزاروں صحابہؓ و تابعین کو آپ باطل پر، غلط کار، فاسق اور باغی کہتے ہیں یا کیا؟ بات پوری کریں۔

ب۔ حضرت عباس رضی اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحابہ کرامؓ سے بھری عدالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظالم، کاذب، آثم، غادر اور خائن کہا (صحیح بخاری ص۱۰۸۵/ج۲ و صحیح مسلم ص۹۰/ج۲) فرمائیے! حضرت عباسؓ کو اس میں آپ سچا مانتے ہیں یا جھوٹا؟ اگر جھوٹا مانتے ہیں تو اعلان کریں اور اگر سچا مانتے ہیں تو پھر بتلائیں کہ حضرت علیؓ کو آپ ظالم، کاذب، آثم، غادر اور خائن کہتے مانتے ہیں یا کیا؟ بات پوری بتانی چاہیئے۔

ج۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی شہادت دی جو ضابطہ شہادت پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے رد ہو گئی۔ ان پر حد قذف لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ اپنی غلطی مان کر توبہ کر لیں تو پھر مقبول الشہادہ ہو جائیں لیکن انہوں نے اپنے آپ کو جھٹلانے سے انکار کر دیا (صحیح بخاری ص۳۶۱/ج۱ مع الفتح) فرمائیے! حضرت ابوبکرؓ کو آپ جھوٹا اور مردود الشہادہ کہتے ہیں یا حضرت مغیرہؓ کو زانی؟ یا کیا؟ وضاحت فرمائیں۔

د۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں بھی فرمایا تھا کہ "اللہ کی قسم یہ بھی محض دنیا کیلئے لڑ رہے ہیں۔"

وان ذالک الذی بمکتہ واللہ ان یقاتل الاعلی الدنیا۔۔۔ (صحیح بخاری مع الفتح ص۶۹/ج۱۳)

نوٹ: صحیح بخاری کے عام پاکستانی نسخوں میں یہ الفاظ یا تو کتابت سے رہ گئے ہیں یا ممکن ہے نسخوں کا فرق ہو۔ بہر حال فتح الباری اور بیروت والے عربی نسخے میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری کا عربی نسخہ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ص۲۶۰۴/ج۶ سن طباعت ۱۴۱۰ھ)

فرمائیے! حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ آپ کے نزدیک خالص دین کیلئے لڑے تھے یا خالص دنیا کیلئے۔ اگر خالص دنیا کیلئے لڑے تھے تو تصریح فرمائیں۔ اگر خالص دین کیلئے لڑے تھے تو بتائیے کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی اس بات میں آپ جھوٹا کہتے ہیں یا کیا؟ بات پوری کریں۔

ہ۔ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو المصطلق سے صدقات وصول کرنے کیلئے بھیجا۔ انہوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ، وہ مرتد ہو گئے ہیں، صدقات انہوں نے روک لئے ہیں اور میرے قتل کے درپے ہوئے ہیں۔ ارتدوا ومنعوا الصدقۃ وارادوا قتلی۔۔۔۔ (الاصابہ ترجمہ ولید و تفسیر ابن کثیر وغیرہ سورہ حجرات) ارشاد ہو کہ آپ کے نزدیک یہاں پوری بات کیا ہے؟ بنو المصطلق مرتد و مانعین صدقات اور حضرت ولیدؓ سچے یا وہ مسلمان اور یہ جھوٹے؟

اب ذرا چند حوالے اپنی اس مقدس تاریخ کے بھی سن لیجئے جنکا انکار آپ کے نزدیک حدیث کے انکار کا پیش خیمہ ہے۔

الف۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کا قاتل کہا۔ چنانچہ جب ان سے پوچھا گیا کہ "اہو قتلہ؟" تو انہوں نے فرمایا کہ "نعم و آوی قتلتہ۔" (البدایۃ ص۲۵۹/ج۷) فرمائیے! حضرت معاویہؓ اس معاملہ میں آپ کے نزدیک سچے ہیں یا جھوٹے؟ اگر جھوٹے ہیں تو وضاحت فرمائیں۔ اور اگر سچے ہیں تو بات پوری کریں کہ

حضرت علیؓ کو آپ حضرت عثمانؓ کا قاتل کہتے ہیں یا کیا؟

ز۔ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ و دیگر بعض حضرات کا نام لیکر ان کو "لیسوا باصحاب دین ولاقرآن" یعنی کافر فرمایا اور بچپن سے بچپن تک انکا کافر و شریر رہنا بتایا۔۔۔ صحبتہم اطفالا و صحبتہم رجالا۔ فکانوا شر اطفال و شر رجال۔۔۔ (البدایہ ص ۲۷۳ ج ۷) فرمایئے! حضرت علیؓ اس معاملہ میں آپ کے نزدیک سچے تھے یا جھوٹے؟ اگر جھوٹے تھے تو اعلان کریں اور اگر سچے تھے تو حضرت معاویہؓ وغیرہ کو آپ کافر اور شریر کہتے ہیں یا کیا؟ بات پوری کرنی چاہئیے۔

ح۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں ایک دوسرے پر اپنی اپنی قنوت میں لعنت بھیجا کرتے تھے۔ (البدایہ ص ۲۸۴ ج ۷) فرمایئے! ان میں سے کون سچا تھا اور کون جھوٹا؟ کون مستحق رحمت تھا اور کون مستحق لعنت؟

ط۔ پھر سوال یہ بھی ہے کہ عادل صرف یزید کے مدمقابل صحابہؓ و تابعین ہی نہ تھے بلکہ اس کو خلیفہ بنانے، ماننے، بیعت و اطاعت کرنے والے صحابہؓ و تابعین بھی عادل ہی تھے۔ آپ یزید کو تو فاسق و فاجر، زانی و شرابی اور مہا پاپی کہتے ہیں۔ اب اس کو خلیفہ بنانے، ماننے، اس کی بیعت و اطاعت کرنے پھر اس پر قائم بھی رہنے والے تمام صحابہؓ و تابعین کو آپ غلط کار، فاسق و فاجر اور زانی و شرابی کے طرفدار اور ایسے مہاپاپی کو باختیار خود خلیفہ بنانے والے گنہگار کہتے ہیں یا کیا؟ بات تو پوری بتانی چاہئیے۔

الغرض آپ کے نزدیک اگر دو مدمقابلوں میں سے کسی ایک کا غلط کار، باغی اور فاسق ہونا اور اس کو یہ کچھ کہنا ضروری ہے تو آپ ان مذکورہ مدمقابلوں میں سے غلط کار، باغی اور فاسق کی تعیین و تمیز کر کے اپنی بات پوری بتا دیں تو پھر حضرت مولانا محمد امین صاحب اور کزئی بھی یزید اور اس کے مدمقابل صحابہ کرامؓ کے بارے میں بات پوری بتا دیں گے۔ یہ تقابلی نظریہ ہی اصل سبائی نظریہ ہے جو غیر شعوری طور پر آپ جیسے حضرات لئے پھرتے ہیں۔ خط زیادہ طویل نہ ہو گیا ہوتا تو اس کی بھی قدرے تفصیل کرتا۔

۱۵۔ مولانا محمد امین صاحب نے یزید کے بارے میں ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ وہ صحابی زادہ ہے۔ آپ اس پر ارشاد فرماتے ہیں کہ

"مولانا آپ جانتے ہیں کہ نبی زادہ بھی بگڑ سکتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سے آپ واقف ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں، خیر القرون میں بالاتفاق ایسے لوگ موجود تھے جو منافق یا فاسق تھے اور انہی میں حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار ہیں۔" (جوابی مضمون ص ۴)

آپ نے بالکل بجا فرمایا۔ لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ضابطہ صرف معاویہؓ کے بیٹے یزید کیلئے ہی ہے یا اوروں کے بیٹوں پر بھی لاگو ہو سکتا ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے حوالہ سے صرف معاویہؓ کے بیٹے کا ہی بگڑنا ثابت ہو سکتا ہے یا کسی اور کے بیٹے کا بھی؟ اگر کوئی خارجی و ناصبی آپ کی اسی دلیل سے یزید کے مدمقابل صحابہؓ و تابعین کو باغی واغی کہنے لگے تو فرمایئے آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ کیونکہ حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت حنظلہ (رضی اللہ عنہم) حضرت نوح علیہ السلام سے تو بڑھ کر نہ تھے۔ جب ان کا بیٹا نبی زادہ ہو کر بگڑ سکتا

ہے تو علی زادہ کیوں خطا نہیں کر سکتا؟ زبیر زادہ سے غلطی کیوں نہیں ہو سکتی؟ حنظلہ زادہ کیوں بھول چوک نہیں سکتا؟ ہاں تو بنی زادہ اگر بگڑ سکتا ہے تو ماسٹر محمد امین اکاڑوی، سنی ہو کر بھی حضرت حسین و یزید کے معاملہ میں رفض و تشیع کی ترجمانی کیوں نہیں کر سکتا؟ ادارہ الخیر، اہل حق میں سے ہو کر بھی اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے حق کا منہ کالا کیوں نہیں کر سکتے؟ نوح کے بیٹے کے حوالہ سے دنیا جہاں کا بگاڑ آخر نرے معاویہؓ کے گھر ہی کیوں چلا گیا تھا؟ غیر مقلدین بھی تو قیاس و اجتہاد کو علی الاطلاق کار ابلیس بتلاتے ہیں؟ پھر فرمائیے کہ آپ کی یہ دلیل ان کی اس ابلیسی دلیل سے کچھ بھی مختلف ہے؟

بیشک خیر القرون میں منافق یا فاسق موجود تھے لیکن اسکی کیا دلیل ہے کہ خیر القرون کا سارا نفاق اور فسق بس حجاج، یزید اور مختار میں ہی جمع ہو گیا تھا؟ جن اہل مدینہ نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا ان میں بھی منافق یا فاسق آخر کیوں موجود نہیں ہو سکتے؟ اگر ہو سکتے ہیں تو پھر یہی کیوں نہ کہا جائے کہ جمل و صفین کیطرح یہ طوفان بھی اٹھایا ہوا انہی منافقوں یا فاسقوں کا تھا جو مخلصوں کی صفوں میں اسی طرح گھسے ہوئے تھے جس طرح حضرت علی، اصحاب جمل اور اصحاب صفین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے؟

میرے محترم! ہو سکنے کو کیا نہیں ہو سکتا؟ لیکن محض "ہو سکنے" اور "بگڑ سکنے" سے تو بات نہیں بن جایا کرتی بلکہ دیکھنا تو یہ ہوتا ہے کہ فی الحقیقت امر واقعہ کیا ہے؟ اور امر واقعہ کا تعلق دلیل اور ثبوت سے ہوا کرتا ہے محض کہاوتوں سے نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے یہ بنی زادے کے بگڑ سکنے والی دلیل جتنی آپ نے مولانا محمد امین صاحب کے خلاف استعمال کی ہے، آپ کا کوئی مدمقابل اس سے کہیں زیادہ اس کو خود آپ کے خلاف، علی زادہ، زبیر زادہ اور حنظلہ زادہ (رضی اللہ عنہم) کے حق میں استعمال کر سکتا ہے۔ اسطرح یہ دلیل آپ کے لئے مفید سے زیادہ مضر ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۶۔ آپ نے محمود عباسی کی یہ عبارت نقل کی کہ:

"اس زمانہ میں صحابہ کی کثیر تعداد حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی ان میں سے کوئی بھی یزید کیخلاف نہ خود کھڑا ہوا نہ حسینؓ کے ساتھ اور نہ انہوں نے یزید کے ساتھ ہو کر قتال کیا بلکہ اس فتنہ سے الگ تھلگ رہے۔" ----- پھر اپنی طرف سے اس پر حاشیہ آپ نے یوں چڑھایا۔

"معلوم ہوا کہ جو صحابہ یزید سے نہیں لڑے وہ بھی یزید کو فتنہ ہی سمجھتے تھے۔" (الخیر ص ۲۳ محرم ۱۴۱۶ھ)

محمود احمد عباسی کی اس عبارت سے آپ کی یہ دریافت، تعجب خیز ہی نہیں بلکہ حد درجہ مضحکہ انگیز بھی ہے۔ اس لئے کہ اول تو عباسی نے یہاں کسی شخصیت کو "فتنہ" نہیں کہا بلکہ مسلمانوں کے حسینی اور یزیدی دو گروہوں کے درمیان قتل و قتال کو "فتنہ" کہا ہے اور مسلمانوں کی آپس کی ایسی لڑائی بھڑائی کو "فتنہ" کے لفظ سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "فتنہ" کا مطلب "اسلام کے دو گروہوں میں باہم تلواریں چلنا" ہی بیان کیا ہے۔ (ازالۃ الخفاص ۴۹۱ ج ا مترجم)

اس اعتبار سے عباسی عبارت کا معنی یہ ہو گا کہ "جو صحابہؓ، حضرت حسینؓ اور یزید میں سے کسی کے ساتھ بھی ہو

کر نہیں لڑے وہ ان کی آپس کی اس لڑائی کو فتنہ سمجھتے تھے۔" یہ نہیں کہ "وہ یزید کو فتنہ سمجھتے تھے"

لیکن اگر آپ کی دریافت کے مطابق اس عباسی عبارت کو شخصیات سے ہی متعلق فرض کر لیا جائے تو پھر عباسی نے شخصیت صرف ایک یزید کی ہی ذکر نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ دوسری حضرت حسینؓ کی بھی ذکر کی ہے اور صحابہؓ کا الگ تھلگ رہنا بھی ان دونوں سے ہی ذکر کیا ہے۔ لہذا عباسی کے الفاظ "اس فتنہ" کا مرجع بھی یہ دونوں ہی ہوں گے نہ کہ صرف اکیلا یزید ہی۔ اس طرح اس عبارت سے صحابہؓ کا (آپ کی دریافت کے مطابق) صرف یزید کو ہی فتنہ سمجھنا معلوم نہ ہو گا بلکہ اس کے ساتھ حضرت حسینؓ کو بھی (العیاذ باللہ) فتنہ ہی سمجھنا معلوم ہو گا۔ بلکہ اگر عباسی نظریے اور عقیدے کو سامنے رکھکر اسکا مرجع متعین کیا جائے تو پھر تو صرف تنہا حضرت حسینؓ ہی اسکا مرجع بنتے ہیں۔ کیونکہ یزید کو تو عباسی، خلیفہ عادل وراشد اور صالح مانتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کو وہ باغی اور محض مقتول گردانتا ہے۔ اس اعتبار سے تو اس عبارت سے بقول آپ کے "صاف معلوم یہ نہ ہو گا کہ جو صحابہ، یزید سے نہیں لڑے وہ بھی یزید کو فتنہ ہی سمجھتے تھے۔" بلکہ اس کی بجائے "صاف معلوم یہ ہو گا کہ جو صحابہ (حضرت) حسینؓ سے نہیں لڑے وہ بھی (حضرت) حسینؓ کو (العیاذ باللہ) فتنہ ہی سمجھتے تھے۔"

بلکہ میں تو عرض کرونگا کہ اگر آپ کا یہ استخراج واستنباط صحیح مان لیا جائے تو پھر تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی (العیاذ باللہ) "فتنہ" بنتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خلافتی اقدامات وواقعات کا تو ذکر ہی "فتنہ ابن زبیر" کے نام سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ "عن نافع ان ابن عمر اتاہ رجلان فی فتنۃ ابن الزبیر الخ" (صحیح بخاری ص۶۴۸/ج۲) بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عباسی کا کوئی پیروکار تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی (العیاذ باللہ) فتنہ قرار دے سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں جو تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہیں بیان فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ شہید ہوں گے اور ان کی شہادت کے قریب ایک فتنہ عظیم برپا ہو گا الخ"۔ پھر آگے بڑی صراحت کیساتھ نام لے کر اس کو حضرت علیؓ کی خلافت پر منطبق کیا ہے۔ (ازالۃ الخفاء از ص۴۷۸ تا ص۴۸۰ وما بعدھا/ج۱ مترجم) نیز حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی فوج میں بھرتی ہونے سے یہ کہہ کر منع فرمایا تھا کہ "وھذہ فتنۃ، النائم فیھا خیر من الیقظان الخ" (البدایۃ ص۲۳۶/ج۷) فرمائیے! آپ نے تو یزید کا فتنہ ہونا یا صحابہ کا اس کو فتنہ سمجھنا عباسی کی عبارت سے کشید کیا ہے۔ آپ ہی کے نقش قدم پر اپنے قدم جماتا ہوا کوئی آپ کا مدمقابل، عباسی کا پیروکار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر المعنی احادیث اور حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت اھبان بن صیفی جیسے صحابہ (علیہم الرضوان) کی تصریحات سے خود حضرت علیؓ کو ہی (العیاذ باللہ) "فتنہ" بنانے لگ جائے تو آپ اس کو کیا جواب دے سکتے ہیں؟ نیز فرمائیے کہ اس طرح یزید کو فتنہ بنانے کا آپ کا یہ شوق آپ کو مفید کریگا یا مضر ترین ثابت ہو گا؟

یہ آپ کی کچھ باتوں کا جائزہ ہے بہت کچھ ابھی باقی ہیں۔ اس کا حال بھی انھی جیسا بلکہ ان سے بھی ابتر ہے۔ مقصود آپ کا مکمل جواب لکھنا یا آپ سے کوئی مجادلہ ومناظرہ کرنا نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اختلافی اجتہادی مسائل میں کسی طرف کی طرفداری میں انسان جتنا بھی ایڑی چوٹی کا زور کیوں نہ لگا لے کوئی قطعی ویقینی بات نہیں کہہ

سلتا۔ اس کی کوئی بھی تاویل تو تبیہ اور تشریح و توضیح ایراد و اعتراض اور قیل و قال سے خالی نہیں ہو سکتی۔ میں نے بھی جو کچھ عرض کیا ہے خود یہ بھی نہ قطعی و یقینی ہے اور نہ ایراد و اعتراض سے مبرا ہے۔ اس لئے ایسے مسائل میں موقف تو جو چاہے آدمی اختیار کر لے لیکن کسی جانب کو ایسا قطعی و یقینی اور خواہ مخواہ ایسا اتفاقی و اجتماعی بنانے لگ جانا کہ دوسری جانب کیلئے نفس جواز کی بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑنا، اصول و قواعد اہل سنت کی رو سے نہایت ہی نامناسب ہے۔

یزید کی بیعت و خلافت کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا۔ اس کے بارے میں بھی صحابہ کرامؓ و تابعین عظام کا آپس میں اختلاف بھی تھا اور خالصتاً اجتہادی بھی تھا۔ اس میں آپ کا میلان اگر یزید کے فسق کی طرف ہی تھا تو آپ بڑی خوشی سے اس کا ذکر کرتے لیکن اس کے لئے جیسی مجلسیں آپ نے الخیر میں، مولانا محمد امین صاحب کے جواب اور مولوی ضیاء الرحمان کے جواب میں پڑھی ہیں ایسی مجلسیں ہمارے اکابر سے ثابت نہیں ہیں۔ اکابر نے نہ تو یزید کو خلیفہ راشد و عادل کہہ کر حضرت حسینؓ کو باغی و اغی لکھا ہے اور نہ حضرت حسینؓ کے عدل کے حوالہ سے یزید کو ایسا فاسق و فاجر، زانی و شرابی اور کتے باز، چیتے باز اور بندر باز وغیرہ وغیرہ بنایا ہے جیسا آپ نے اس کو یہ کچھ بنانے پر اپنا سارا زور لگا دیا ہے۔ بلکہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے جو تحقیق "شہادۃ امام حسینؓ اور کردار یزید" میں کر دی ہے اس کے بعد تو حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت کیلئے یزید کو نفس فاسق و فاجر بنانے بتانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ یہی حال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے موقف کا بھی ہے۔

اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

اپنے عطیات اور زکواۃ و صدقات

مدرسہ معمورہ ملتان

کو عنایت فرمائیں

مدرسہ میں رہائش پذیر طلباء کے اخراجات

اور

نئی درسگاہوں اور رہائشی کمروں کی تعمیر کے لئے اہل خیر حضرات فوراً توجہ فرمائیں

ترسیل زر کا پتہ

بذریعہ منی آرڈر:۔ سید عطاء المحسن بخاری۔ مہتمم مدرسہ معمورہ

دار بنی ہاشم مہربان کالونی۔ ملتان۔ فون:۔ 511961

بذریعہ بینک:۔ اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان۔

زُبْدَۃُ التَّفَاسِیر---تفسیری ریفرنس بُک

ایک تعارف

پی ایچ ڈی کے لئے یہ مقالہ (Thesis) ممتاز محقق، استاذ اور دانشور ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صدر شعبہ عربی، پرنسپل اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور کی نگرانی اور رہنمائی میں شعبۂ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے استاد اعجاز فاروق اکرم نے پنجاب یونیورسٹی میں پیش کیا جو عربی زبان میں ڈھائی ہزار صفحات اور چار رچھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس کی بنیاد برِّصغیر کشمیر کے معروف نقشبندی بزرگ خواجہ خاوند محمود الملقّب بہ حضرتِ ایشاںؒ (م ۱۰۵۲ھ) کے صاحبزادے خواجہ معین الدین کشمیریؒ (م ۱۰۸۵ھ) کی بادشاہ عالمگیرؒ کو پیش کردہ قلمی تفسیر "زُبدۃ التفاسیر" کے مخطوطہ (Manuscript) پر ہے۔ اس Thesis میں اس قلمی تفسیر کے دنیا میں موجود چار مخطوطوں پنجاب یونیورسٹی لاہور، کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ، خدا بخش لائبریری پٹنہ، ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ کی مائیکرو فلموں کے ذریعے تقابل، تصحیح اور حواشی کا کام کیا گیا ہے۔ جبکہ تفسیر میں وارد ۱۶۲ اعلام (شخصیات) اور ۱۲۲۹ احادیثِ مبارکہ کے علاوہ اماکن وبُلدان (شہر اور ملک) اور قبائل کی تخریج بھی کی گئی ہے۔

اس مقالے کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ تفسیری اقوال و آراء کی تفسیر قرآن کے معروف و مستند اور بنیادی مآخذ (Original Sources) بالترتیب تفسیر الطبری، تفسیر البغوی، زاد المسیر، تفسیر البیضاوی، تفسیر النسفی، تفسیر الخازن، تفسیر ابن عباسؓ اور تفسیر الجلالین سے تخریج کی گئی ہے۔ اس مقالہ میں ہر قطعہء آیت کے سامنے ایک ہی سطر میں تفسیر اور آٹھوں مصادر کے حوالے بمعہ صفحہ اور جلد نمبر درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ مقالہ بنیادی مآخذِ تفسیر کے کیٹلاگ رہنی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس کی نتیجے میں طالبِ تفسیر کو کسی بھی آیت کی تفسیر کے لئے آٹھوں بنیادی مآخذِ تفسیر سے رجوع کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ ایک ہی سطر اور ایک ہی نظر میں تمام تفصیلات بہم میسر آجائیں گی۔

ماضی کے جھروکے سے
قسط چہارم

تحریر: محمد یعقوب اختر
ترتیب: شیخ عبدالمجید احرار امرتسری

احرار اور تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء

جس دن مولانا عبدالرحمٰن مہتمم مدرسہ اشرف المدارس جلوس لیکر ڈی سی ہاؤس پہنچے تو ڈپٹی کمشنر میجر ابن حسن اور ایس پی رانا جہانداد نے مولانا عبدالرحمٰن اور انکے رفقاء کو گرفتار کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ اور مولانا کی خوشامد کر کے جلوس واپس لے جانے کو کہا۔ جس پر مولانا نے کہا کہ تحریک کے ڈکٹیٹر اور دیگر ذمہ دار حضرات جامع مسجد میں ہیں ان سے ہدایات لیکر ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے!

چنانچہ مولانا نے شرکاء جلوس میں سے دو معتمد رفقاء کو جامع مسجد بھیجا انہوں نے مولانا تاج محمود کو پیدا شدہ صورت حال سے آگاہ کیا۔ مولانا تاج محمود نے فوراً مولانا محمد یعقوب نورانی اور دیگر رفقاء سے مشاورت کی اور فیصلہ کے مطابق مجھے تین دیگر دوستوں کی معیت میں ڈی۔ سی سے موقع پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔

میں نے جلوس کی موجودگی میں ڈپٹی کمشنر اور ایس پی سے بات کی۔ لیکن وہ باز بار جیل میں جگہ نہ ہونے اور راشن کی قلت کا عذر کر کے ملتجی تھے کہ کس طرح جلوس واپس لے جایا جائے! میں نے انہیں دو ٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ جلوس ہم کسی صورت بھی واپس نہیں لے جا سکتے کیونکہ ہم تو مطالبات منوانے کے لئے یہ راست اقدام کر رہے ہیں اور اگر حکومت مجبور ہو چکی ہے یا دیوالیہ ہو چکی ہے تو ہم آپکی یہ مدد کر سکتے ہیں کہ جبتک آپ کے پاس راشن نہیں آتا ہم جیل میں کھانے کا اپنا بندوبست کر دیتے ہیں۔ آپ حکومت کو لوگوں کے جذبات سے آگاہ کر کے مطلبات تسلیم کرنے پر زور دیں۔ مطالبات کی منظوری کے ساتھ ہی ابھی ٹینشن خود بخود بند ہو جائے گی۔ اور حکوم کے کھاتے میں نیک نامی بھی آئے گی لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے کبھی دھمکی اور کبھی خوشامد پر اتر آتے! اس اثناء میں جلوس جذباتی رنگ اختیار کر چکا تھا اور ڈی۔ سی اور ایس پی جلوس کے گھیرے میں تھے۔ صورت حال بھانپ کر ڈی سی نے مجھے کیا آیئے اندر کوٹھی میں چل کر اطمینان سے بات کرتے ہیں! میرے چونکہ وارنٹ جاری ہو چکے تھے! اس لئے میں انکے دھوکے میں نہ آیا اور کہا کہ جو بات ہو گی جلوس کی موجودگی میں یہیں ہو گی۔ اور مولانا عبدالرحمٰن کو اشارہ دیا کہ جلوس کو جیل کی طرف لے جائیں اور ڈی سی کو بھی ساتھ لے جائیں! میں مزید مشورہ کرنے کا بہانہ کر کے واپس آ گیا۔ جلوس وہاں سے ڈپٹی کمشنر کو زبردستی اپنے ہمراہ لیکر جیل کی طرف چل دیا۔ راستہ میں بارش کے پانی اور کیچڑ نے ڈپٹی کمشنر کے سفید پینٹ اور قمیض نیز چہرے کو لت پت کر کے اسکا حلیہ بگاڑ دیا۔ جس سے وہ مشتعل ہو کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اور تشدد پر اتر آیا۔ شمع رسالت کے پچاس ساٹھ پروانوں کو گرفتار کر لیا اور

جیل کے اندر ان نہتے رضاکاروں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنوایا۔

اسی واقعہ سے آگ بگولہ ہو کر جس سے اسکا کڑوفر مجروح ہو گیا تھا تحریک کو کرش کرنے کا تہیہ کر لیا اور شہر کو ملٹری کے سپرد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چونکہ میں نے اس کے رو برو بے باکانہ جوابات دیئے تھے اور اسکی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا اس لئے مجھے گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنانے اور پھر گولی مارنے کا چنگیزی حکم بھی دے دیا اس بات کا علم مجھے جیل سے رہائی کے بعد ۵۴ء میں شیخ نصیر علی ایک پولیس آفیسر سے ہوا۔ جو ان دنوں لائل پور میں تعینات تھے!

مفتی محمد یونس صاحب کا خط بنام مولانا تاج محمود

اسی دوران لائل پور کا ایک کپڑے کا تاجر کراچی سے میاں محمد عالم بٹالوی کا ایک خط مولانا تاج محمود کے نام لایا جس میں میاں محمد عالم بٹالوی نے مفتی محمد یونس صاحب کی طرف سے تحریر کیا تھا کہ کراچی میں اعلیٰ قیادت کے پابند سلاسل ہو جانے کی وجہ سے تحریک ابتدائی دنوں میں خوب جوش و خروش دکھانے کے بعد دم توڑ چکی ہے۔

پاکستان کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے غیر ملکی سفراء بھی اسی شہر میں ہیں۔ اس لئے کراچی میں کام کرنے کی بہت ضرورت اور اہمیت ہے۔ اس لئے محمد یعقوب اور دیگر دو ایک ساتھیوں کو فوری طور پر کراچی بھیج دیا جائے تاکہ یہاں تحریک کو نئے سرے سے منظم کر کے کام شروع کیا جائے۔ مولانا تاج محمود کسی صورت میں مجھے لائل پور سے بھیجنا نہیں چاہتے تھے اسی لئے مجھے وارنٹ کے باوجود گرفتار نہ ہونے دیا جا رہا تھا۔

خواجہ جمال الدین بٹ امرتسری کا "بٹ موٹر ورکس" ضلع کچہری کے سامنے تھا۔ جہاں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، آغا شورش کاشمیری، مولانا محمد علی جالندھری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور دیگر اکابرین احرار اکثر آتے رہتے تھے۔ خواجہ جمال الدین بٹ مرحوم مجلس احرار اسلام لائل پور کے صدر تھے اور شہر میں انکی سیاسی حیثیت نمایاں تھی۔ اگرچہ وہ مقرر نہ تھے لیکن مجلس احرار کے تمام پروگراموں میں خاموش اور مستقل مزاجی سے منہمک رہتے۔ انہیں ۳ مارچ ۵۳ء کو سیفٹی ایکٹ دفعہ ۳ کے تحت گرفتار کر لیا گیا حالانکہ ابھی تک مجلس عمل کے کسی بھی ذمہ دار مقامی رہنما کو اس اعزاز کا مستحق نہ سمجھا گیا تھا اس وقت تک صرف مجلس احرار ہی کے اکابر کو اس بدنام زمانہ سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ جس کی اپیل تھی نہ کوئی دلیل سنتا تھا۔ اسے صرف ہائی کورٹ میں رٹ کے ذریعہ ہی چیلنج کیا جا سکتا تھا۔ گورنمنٹ کی نظر میں صرف مجلس احرار اسلام ہی تحریک کی ذمہ دار اور کرتا دھرتا تھی۔ جبکہ حقیقت بھی یہی ہے۔

چار نوجوانوں کی شہادت

۷ مارچ کو راقم تا محمد عالم منہاس اور شیخ عبدالمجید امرتسری مع ایک دو دیگر ساتھیوں کے کراچی کے

لئے سالار محمد صدیق کی قیادت میں قافلہ کو گاڑی پر سوار کرا کے ریلوے اسٹیشن سے واپس لوٹ رہے تھے کہ ریلوے روڈ پر ہم نے گولی چلنے کی آواز سنی۔ ہم نے فوراً ریلوے کوارٹر کی طرف واٹر ٹینک کے عقب سے ہو کر شہر کا راستہ لیا۔ تاہم معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ انجن شیڈ کے سامنے پولیس نے نہتے اور بے گناہ چار نوجوانوں کو تھری ناٹ تھری کی گولیوں سے خاک و خون میں تڑپا دیا اور لاتعداد کو زخمی کر دیا ہے!

جونہی یہ دردناک اور وحشتناک خبر لوگوں نے سنی تو پورا شہر اس ظلم و سفاکی کے خلاف مشتعل ہو گیا اور سراپا احتجاج بن گیا۔ لوگوں کا جم غفیر اسٹیشن پر لاشوں کے حصول کے لئے جمع ہو گیا۔ پولیس نے پھر مزاحمت کی لیکن شمع رسالت کے پروانوں کے آگے پولیس کی ایک نہ چل سکی۔ شدید مزاحمت کے باوجود لوگ چار لاشیں لیکر جامع مسجد آ گئے، جو رات بھر مسجد کے صحن میں رکھی رہیں۔ اگلے دن ایک بہت بڑے جلوس کے ساتھ دھوبی گھاٹ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ یہ منظر بھی دیدنی تھا۔ حد نظر تک انسانوں کا سر تھے۔ بے پناہ ہجوم تھا۔ ہر آنکھ اشکبار اور دل مجروح تھا۔ پولیس کے دستے جلوس کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ ذرا سی بے احتیاطی ہزاروں انسانوں کو خاک و خون میں تڑپا سکتی تھی۔ گورنمنٹ تہیہ کئے ہوئے تھی کہ ذرا موقعہ ملے تو گولی چلانے سے دریغ نہ کیا جائے ہمیں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ ڈی۔ سی کے عزائم کیا ہیں۔ پولیس بھی چوکنا تھی، ہم کوئی ایسا موقع دینا نہ چاہتے تھے لیکن لوگ ختم رسالت ﷺ کے ناموس پر قربان ہو جانا سعادت دارین سمجھتے ہوئے ہر قربانی کے لئے تیار تھے۔

ان حالات میں جبکہ شہداء کے جنازے سامنے ہوں، جذبات انتہا پر ہوں، جلوس کو پر امن اور منظم رکھنا بہت مشکل تھا۔ تاہم تانگہ پر سپیکر فٹ کیا گیا اور شیخ عبدالمجید کو ذمہ داری سونپی گئی کہ انتہائی نظم و احتیاط کے ساتھ جلوس کو پر امن رکھا جائے۔ مشتعل اور سراپا احتجاج لاکھوں انسانوں کو بمشکل تمام پر امن رہنے کی اپیل پر لبیک کہنے کے لئے تیار کیا گیا۔ یوں عوام نے بھی پر امن رہ کر حکومت کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔ شیخ عبدالمجید صاحب نے بڑی حکمت عملی سے جلوس کا ذہنی رخ احترام شہداء کی طرف موڑ دیا۔

بار بار سپیکر پر اعلان ہوتا رہا حضرات! شہداء کے جنازوں کا احترام ملحوظ رکھیں۔ ادب اور خاموشی کے ساتھ شہداء کو انکی منزل تک پہنچائیں۔ چند منٹوں کا سفر کئی گھنٹوں میں طے ہوا شہداء کو بڑے قبرستان میں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن کی گیا۔

چنیوٹ بازار اور جامع مسجد کے باہر فائرنگ

انتہائی شقی القلب مرزائی نواز ڈپٹی کمشنر میجر ابن حسن نے بڑی رازداری کے ساتھ فوج طلب کر لی۔ چونکہ لاہور میں مارشل لاء لگ چکا تھا اور جنرل اعظم خاں نے ابن حسن کو ایک مرزائی آفیسر کے زیر کمان فوجی دستہ بھیج دیا۔

ابھی ریلوے سٹیشن پر فائرنگ کے زخم مندمل نہیں ہوئے تھے کہ ایک رات ہم لوگ مسجد میں موجود

رضاکاروں کو آرام کرنے کی ہدایات دیکر میں اور عالم منہاس مولانا عبید اللہ احرار کے مکان اور مولانا تاج محمود اقبال فیروز کے گھر پر جا چکے تھے کہ معاً دس بجے رات کو اچانک گولی چلنے کی آواز آئی۔ اور یہ سلسلہ وقفہ وقفہ سے دس پندرہ منٹ جاری رہا۔ جس سے ہم تشویش میں مبتلا ہو کر سوچ رہے تھے کہ کہاں اور کس نے گولی چلائی ہے؟ اسی اثنا میں جامع مسجد سے ملک محمد شریف سابق صدر مسلم لیگ لائل پور جنکا مکان مسجد سے ملحق تھا، نے سپیکر پر اعلان کیا کہ چنیوٹ بازار میں پولیس نے گولی چلائی ہے اس لئے کوئی آدمی باہر نہ نکلے اور اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالے!

میں اور محمد عالم منہاس یہ روح فرسا اعلان سنکر تڑپ گئے۔ اگرچہ باہر آنے میں جان کا خطرہ تھا کسی لمحہ بھی کسی طرف سے گولی لگ سکتی تھی۔ لیکن ہم نے تو ناموس مصطفےٰ ﷺ پر قربان ہونے کا فیصلہ کر کے ہی تحریک میں حصہ لیا تھا۔ اس لئے اللہ پر بھروسہ کر کے اس پر ہیبت اور اندھیری رات میں رضائی اوڑھ کر میں اور محمد عالم منہاس کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے گلیوں کے راستے افغان چوک سے کچہری بازار میں داخل ہوئے تو کسی نے دہشت ناک آواز کے ذریعہ رکنے کو کہا لیکن ہم جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے رفیق واچ کمپنی والی گلی میں داخل ہو گئے۔ اسی دوران کسی نے گولی بھی چلا دی۔ تاہم بفضل ایزدی ہم بغیر کسی نقصان کے جامع مسجد پہنچ گئے۔ مسجد کا دروازہ چونکہ رات کو بند رکھا جاتا اس وقت بھی بند تھا اور پیچھے قدموں کی آواز بھی آ رہی تھی۔ ڈیوٹی پر موجود رضاکار نے پہچان کر فوراً دروازہ کھول دیا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ دروازہ پھر مقفل کر دیا گیا۔ مسجد میں ایک اضطراری اور اضطرابی کیفیت طاری تھی اور ایک عجیب روحانی عالم تھا۔ کوئی اللہ تعالیٰ کے حضور قیام میں تھا تو کوئی سر بسجود اللہ کی حمد و ستائش میں مصروف تھا۔ کسی کے لبوں پر کلمہ طیبہ تھا اور کوئی درود شریف کے ورد میں رطب اللسان تھا ہر کوئی اپنے آقاء و مولا کے حضور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے سب سے پہلے میدان میں نکلنے کے لئے پرجوش تھا، جنہیں بڑی مشکل سے رات کے وقت روکا گیا لیکن کرفیو کی وجہ سے پولیس اور فوج شہید اور زخمی ہونے والوں کو اٹھا کر لے گئی جنکی تعداد کا علم نہ ہو سکا۔

آخری جلوس اور کرفیو:

لائل پور انتظامیہ نے مختلف ہتھکنڈوں اور ظلم و ستم کے ذریعہ پر امن تحریک کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنی غیر آئینی اور غیر اخلاقی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ اور مسجد کو کسی بھی طرح خالی کرانے کی ٹھان لی۔ پولیس اور فوج دونوں کا جبر و تشدد عشق رسول ﷺ سے سرشار ناموس مصطفےٰ ﷺ پر قربان ہونے کا جذبہ عامۃ المسلمین کے دلوں سے نکال نہ سکے۔ کیونکہ تحریک کے مرکز جامع مسجد میں مجلس عمل کے مقامی راہنماؤں جو کہ مجلس احرار اسلام ہی کے کارکن تھے کی موجودگی لوگوں میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کر رہی تھی۔ روزانہ سپیکر پر بیان ہوتا تھا اور تمام حالات سے لوگوں کو باخبر رکھا جاتا اور ایک ولولہ تازہ دیا جاتا۔

اسی لئے انتظامیہ غیر آئینی اور غیر اخلاقی ہتھکنڈوں پر اتر آئی کہ کسی بھی طرح مسجد کو خالی کرایا جائے

اور تحریک کے ذمہ دار ارکان کو گرفتار کیا جائے۔ شہر پر عملی طور پر کارکنانِ تحریک کا ہی حکم چلتا تھا اور اسکا مرکز جامع مسجد تھی۔ ہماری گرفتاری سے انتظامیہ اور پولیس اپنے آپکو بے بس پا رہی تھی۔

۱۷ مارچ ۱۹۵۳ء کو آخری جلوس جو ہزاروں جاں نثارانِ ختم نبوت پر مشتمل تھا، خواجہ غلام حسین سالار مجلس احرار اسلام لائل پور کی قیادت میں نکلا۔ شرکاء جلوس کا جوش و خروش دیدنی تھا جس سے پولیس چوک گھنٹہ گھر سے امین پور بازار کی طرف دبک گئی۔ چوک گھنٹہ گھر میں تقاریر ہوئیں اور جلوس مرزائیت مردہ باد، قائد قلت مردہ باد۔ سرظفر اللہ کو علیحدہ کرو۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دو۔ نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی گونج میں پولیس کی طرف بڑھا ہے۔ خواجہ غلام حسین کو پولیس جیپ میں بٹھا کر لے گئی۔ اور باقی کو گرفتار کرنیکا جھانسہ دیکر نو دو گیارہ ہو گئی۔ تحریک کی روز افزوں شدت سے زچ ہو کر اپنی بے بسی اور خفت پر پردہ ڈالنے کے لئے اسی سہ پہر کو غیر معینہ مدت کے لئے کرفیو نافذ کر دیا گیا جو تین دن تک مسلسل نافذ رہا جس سے شہریوں کو اذیت ناک تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی دوران جامع مسجد خالی کرالی گئی۔ پہلے دن مسجد کا پانی بند کیا گیا۔ دوسرے دن بجلی کاٹ دی گئی اس سے مسجد اور عوام کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ اور ایک رات پولیس اور فوجی جوتوں سمیت مسجد میں گھس گئے۔ مسجد میں موجود کارکنوں میں سے کچھ گرفتار کر لئے گئے اور کچھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے!

تاہم اس سے تحریک کا کام لائل پور میں عملاً بند ہو گیا۔ بعد میں وقتاً فوقتاً جلوس نکلتے رہے اور گرفتاریاں ہوتی تھیں!

میں اور محمد عالم منہاس کرفیو کے دوران ہی گورونانک پورہ اور مولانا تاج محمود چک نمبر ۲۷۹ میں روپوش تھے تاہم ہمارا آپس میں رابطہ تھا۔ ملاقات ہوئی تو آئندہ کے لئے تحریک کے سلسلہ میں مختلف تجاویز پر غور کیا۔ جو مولانا کی اچانک گرفتاری کی وجہ سے روبہ عمل نہ آسکیں۔

کراچی روانگی

میں اور محمد عالم منہاس مرحوم نیز محمد شریف جالندھری نے مختلف رفقاء سے ملکر کراچی جا کر تحریک کے لئے کام کرنے کا پروگرام طے کیا۔ چنانچہ ہم تینوں ٹرکوں اور بسوں کے ذریعہ خانیوال ہوتے ہوئے ملتان پہنچے جہاں مستری رشید احمد لدھیانوی بھی آگئے اس طرح چاروں بذریعہ ٹرین کراچی چلے گئے۔ (باقی آئندہ)

قادیانیوں کے یہودیوں سے روابط اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں!
ایک تحقیقی کتاب جس کے کسی حوالہ کو کوئی مرزائی آج تک رد نہیں کرسکا۔
ابو مدثرہ
قادیان سے اسرائیل تک
قیمت =/60 روپے
بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی ملتان۔

عکسِ تحریر ابناءِ امیرِ شریعت

ذیل کے آٹوگراف محترم عبدالکریم قمر (کمالیہ) کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ قارئین ہیں۔

(مدیر)

جانشینِ امیرِ شریعت مولانا
سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بوقت ... ۲۸ ربیع الاول ... ۳۰ مارچ ...

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ۝

خبردار! اُسی اللہ ہی کو پیدا کرنے کی قدرت وطاقت اور حکم چلانے کا حق حاصل ہے! بابرکت ہے اللہ کی ذات جو سب جہانوں کا پالنہار ہے!

گورنمنٹ آف دی اللہ۔ فار دی پیپل، بائی دی خلافت و شورائیت!
اس آیت کا مفہوم ومصداق ہے! اور یہی مجلس احرارِ اسلام پاکستان کا منشور اور نعرہ ہے۔ فالسلام

راقم فقیر ابن امیر شریعت ... ابوذر البخاری خادم ...
جنرل ... چھیا ...

تہذیب نو کی ریاکاری سے اجتناب و احتساب ہی سچائی کی خدمت ہے

سید عطاء المحسن (کمالیہ)
۲۲ ربیع الاول ۹۶
۲۴ مارچ ۷۶

سید عطاء المحسن بخاری

باسمہ الحی القیوم

الناس علی دین ملوکھم۔ قول حضرت علی المرتضیٰ
لوگ حاکموں کے دین پر ہوتے ہیں۔
یا اللہ ہمیں ملک میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام و نفاذ کی توفیق عطا فرما آمین۔

خادم مجلس احرار اسلام ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۹۵
۲۴ دسمبر ۷۵
عطاء المہیمن

سید عطاء المہیمن بخاری

حدیث بے خبراں ہے کہ با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

سید عطاء المؤمن بخاری
۲۶ شوال ۹۶ھ ۔ ۲۱ اکتوبر ۷۶ء

سید عطاء المؤمن بخاری

کامیابی و کامرانی کے راستے

زندہ رہنا ہو تو میر کارواں بن کر اور زمین کی پستیوں میں آسمان بن کر رہو۔ آدمی اپنی سرشت میں رشیدہ احساس انا اور عملی کوتاہیوں کی تاویلات نیز طبعی خدوخال کے تقاضوں کے تحت اکثر یہ سوچنے لگ جاتا ہے کہ وہ ہر طرح آزاد ہے۔ یہ انداز فکر اس حد تک تو درست ہے کہ انسان کسی لگے بندھے ضابطوں کا نہ تو بتاً غلام ہے اور نہ ہی حاکم، باشعور تو وہ ہے جو وقت اور حالات کے تقاضوں کا کھلی آنکھوں اور اللہ کی بعث کردہ بصیرتوں سے کام لیکر جیسے بھی حالات و کیفیات سے دوچار ہونا پڑے اپنی صلاحیتوں اور پر عزم حلوں سے ہم آہنگی کے رشتے جوڑتا چلا جائے۔ روشن کردار اور محنت و مشقت کے بل بوتے پر اپنی منزلِ صود کی جانب چل پڑے۔ یہاں تک کہ دشوار پسندی اس کا مشرب اور فطرت ثانیہ بن جائے۔

ہر اک مقام سے ہو کر گزر گیا مہ تو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو

بلاشبہ حصولِ مقصد کی جادہ پیمائی پھولوں کی سیج نہیں۔ اس کے لئے خود کو پر خاروادیوں سے بھی گذارنے کے لئے آمادہ رکھنا پڑتا ہے۔ کشتی کو باد مخالف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حوصلہ شکن حالات بھی اپنا رنگ جمانے میں پیچھے نہیں رہتے لیکن عزم جواں کے سامنے انکی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔

آسانیوں کی راہ سے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

جب دل میں یقین جاگزیں ہو کہ

صبح اک زندہ حقیقت ہے، یقیناً ہو گی اور وہ کونسی شب ہے بھلا جس کی سحر نہ ہو تو آنکھوں میں امید کی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انسان اپنے پر کشش مقصد کے حصول کے لئے غایت درجہ دشوار گذار راستوں میں بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ آج بھی صحارہ کے ریگستانوں میں تیل کے کنویں، کینیڈا کی ویران اور اجاڑ برفیلی سطحوں سے یورینیم کا حصول اور جنوبی امریکہ میں ۴۷۵۰ میٹر اونچے حصوں کی کھدائی انسان کی سخت جانی کی زندہ مثالیں ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ بیٹھ جانے والوں کے لئے عبرت و بصیرت کا سامان فراہم کرتی نظر آتی ہیں۔

توفیق کسی کی میراث نہیں۔ پس جس کا بھی یہ ایقان ہو کہ دشت تو دشت تھے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے، تو مردِ خدا اللہ کا نام لیکر اور کمر ہمت باندھ کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور مقصد کے حصول میں جت جاتا ہے۔

(بقیہ صـ۶۳ پر)

عامر عثمان ابن چودھری محمد عمر
(چنیوٹ)

آزادی کے اڑتالیس سال - کیا کھویا کیا پایا؟

ہم اپنی آزادی کے اڑتالیس سال گزار آئے ہیں۔ آئیے جائزہ لیں کہ تاریخ کا یہ سفر ہم نے کس سمت میں طے کیا ہے۔ پاکستان کس لئے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اور اس کے لئے کیا کیا قربانیاں دی گئیں۔ افسوس کہ ہم ہر سال یومِ آزادی مناتے ہیں اور یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو گئے ہیں۔ یہ مذاق ہم نصف صدی سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اسی مذاق میں ہم نصف ملک گنوا بیٹھے ہیں۔ نئی نسل کو تو ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں کہ المیہ مشرقی پاکستان کا ذمہ دار کون ہے؟

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں!
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

قرار داد پاکستان کی یاد میں تعمیر ہونے والا مینار، ہم سب کے سامنے ایک سوالیہ نشان ہے۔ وہ پوچھ رہا ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت کندھے سے کندھا جوڑ کر آگ اور خون کا دریا عبور کرنے والی پاکستانی قوم آج کہاں گم ہو گئی ہے۔ آج ہم سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان، سرائیکی اور مہاجر تو ہیں مگر پاکستانی نہیں ہیں۔ اگر ہم ایک قوم ہوتے تو کالا باغ ڈیم کبھی کا تعمیر ہو چکا ہوتا۔ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ملک میں توانائی کا بحران حل ہو گیا ہوتا۔ علامہ اقبال کے تصور پاکستان کے مطابق تو اُمتِ مسلمہ کے اتحاد کا آغاز جنوب مشرقی ایشیا کے اس ملک پاکستان سے ہونا تھا۔ پاکستان ایک سنگِ میل تھا۔ اسلام کے اس قلعہ سے تو عالمِ اسلام کا تحفظ ہونا تھا۔ مگر ہم سے تو خود اپنا تحفظ بھی مشکل ہو رہا ہے۔ نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر۔ ایک قوم بننے کی بجائے ہم خیبر سے لے کر کیماڑی تک بھی اکٹھے نہ ہو سکے۔ مذہب کے نام پر بننے والے اس بد قسمت ملک میں عبادت خانوں میں بھی بموں کے دھماکے ہو رہے ہیں۔ حکومت، سیاست دان، استحصالی گروہ اور فرقے۔ ہر جگہ ایک دوسرے سے برسرِپیکار ہیں۔ چاروں طرف نفرت۔ کھچاؤ اور دہشت طاری ہے۔ ہر جگہ خوف کی عملداری ہے۔

ہماری قیادت مجموعی طور پر بددیانت ہو چکی ہے۔ دن رات خلافتِ راشدہ کی عظمتوں کے قصے بیان کرتے ہیں مگر عملی طور پر دولت کی بہتی گنگا میں ڈبکیاں لگانے میں مصروف ہیں۔ کردار نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔ انسانی تاریخ میں مسلمانوں نے کبھی لٹتے گرتے ہوئے کردار کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی اتنی ذلت کا ثبوت دیا تھا کہ پچاس ہزار مسلمان فوج بیک وقت دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دے اور یہ نتیجہ ہے جمہوری معاشرے کی تشکیل کا۔ جس نے قوم کو اللہ و رسول کا عملاً باغی بنا دیا ہے۔

آزادی کے بعد نئے ملک کے بہتر مستقبل کے لئے جو جوش و خروش پایا جاتا تھا آج اس سے بیس گنا

زیادہ مایوسی ہمارے ذہنوں پر مسلط ہے۔ ہم سب بے مقصد زندگی گزارنے میں مصروف ہیں۔ گویا کہ زندہ رہنا ہی ہمارا مشغلہ ہے۔ ہم سب کی قیمتی زندگی ایک بھیانک خلاء میں بسر ہو رہی ہے۔ دانشور بھی دولت کی اس لوٹ کھسوٹ میں شامل ہیں۔ یا وہ محض تماشائی ہیں۔ انکے سامنے کوئی پروگرام نہیں، کوئی مقصد نہیں، کوئی راستہ نہیں۔ ہم سب جنگل کے اس قانون میں بے بس پرندوں کی طرح پھڑپھڑا رہے ہیں۔ مگر اس حال سے باہر نکلنا یا اس قید سے آزادی حاصل کرنے کا ہمیں کوئی راستہ نہیں مل رہا۔ تلخی، بیزاری، خود غرضی اور مایوسی ہر طرف مسلط ہے۔ چند خاندان آکاس بیل کی طرح قومی شجر پر مسلط ہیں، ملکی اور غیر ملکی شکاریوں کے اس وسیع جال سے ہم کس طرح آزادی حاصل کر سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں کئی ایسی قوموں کا ذکر ہے جو اپنی نافرمانی کی وجہ سے صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دی گئیں۔ ان قوموں میں جو گناہ ایک ایک کر کے پایا جاتا تھا وہ سارے گناہ ہم میں بیک وقت پائے جاتے ہیں۔ خدائے رحمٰن، ہمیں مہلت پہ مہلت دیئے جا رہا ہے لیکن ہم محض زبانی جمع خرچ میں مصروف ہیں۔ آج محض نعرہ کی حد تک اسلام کا نام بلند ہوتا ہے مگر دین کی بنیادی تعلیم سے کوئی غرض نہیں۔ مسلمانوں کے شاندار ماضی کے قصے تو بیان کئے جاتے ہیں مگر اسلام جو انسانیت کی سب سے زیادہ تکریم کرتا ہے اس کے عطا کئے ہوئے انسانی رویے مسلمانوں میں نہیں ملتے۔ ہمیں یہ تو بتایا جاتا کہ مسلمانوں نے آٹھ سو سال سپین میں اور ایک ہزار سال ہندوستان پر حکومت کی مگر ہمیں اسوۂ نبی کریم ﷺ سے کوئی غرض نہیں ہر گروہ اپنے اپنے مسلکوں کی عظمتوں کا لٹھ اٹھائے پھرتا ہے اور موقع ملنے پر دوسرے کے سر پر دے مارتا ہے۔ اور پھر یہ چاہتا ہے کہ دوسرا ہی شخص اسلام پر عمل پیرا ہو اور وہ خود جو مرضی ہے کرتا پھرے۔ ہم سب اجتماعی خود کشی کے راستے پر بڑی تیزی سے دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اگر ہم واقعی ان اندھیروں سے باہر نکلنا چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی حل ہے۔ ہر مسلمان کو یہ عزم کرنا ہوگا کہ وہ اسوۂ نبی کریم ﷺ پر عمل پیرا ہو کر پہلے اپنی ذات پر اسلام نافذ کرے اور اس کے بعد اپنے اپنے ماحول کے اندر اسکے نفاذ کی کوشش کرے۔ اس طرح اجلے کردار کے لوگ آگے آئیں گے۔ اندر ہی اندر کڑھنے کی بجائے میدان عمل میں نکلیں، اپنے اندر تنظیم قائم کریں، قرآن و حدیث سے اپنا تعلق قائم کریں، قرآنی تعلیمات کے مراکز جا بجا قائم کریں یہیں سے ہم فکری رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور یہی ایک راستہ نجات کی طرف جاتا ہے باقی سارے راستے تباہی کی طرف جاتے ہیں۔

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

حرفِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

کتاب: دینی دستر خوان

مرتب: حاجی عبدالقیوم مہاجر مدنی

صفحات: ۱۵۱۴ قیمت: درج نہیں

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ کائنات میں صرف ایک کتاب ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ اور غلطیوں سے پاک ہے۔ اسکی ہر بات اور ہر حکم کو بلا تحقیق تسلیم کرنا ہی اصل ایمان ہے اور وہ صرف قرآن کریم ہے۔ اسی اصول کو معیار بنا کر اگر کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو قاری بے شمار الجھنوں اور مسائل کا شکار ہونے سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ ہر کتاب میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی۔ مفید باتیں بھی ہوتی ہیں اور مضر بھی۔ قاری کی خوبی یہ ہونی چاہیئے کہ اچھائیاں چن لے اور خامیوں کو چھوڑ دے۔ نقد و نظر کا معاملہ بھی اسی اصول کے تحت ہے۔

زیر تبصرہ کتاب "دینی دستر خوان" محترم حاجی عبدالقیوم مہاجر مدنی کی مرتب کردہ ہے جسے انہوں نے جدید انسائیکلوپیڈیا قرار دیا ہے۔ کتاب دو جلدوں، ۵۹ ابواب اور ۱۵۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات، سیرت نبوی ﷺ، مذاہب عالم، عجائبات عالم اور تصوف کے علاوہ بے شمار موضوعات پر بے پناہ معلومات ہیں۔ مرتب موصوف باقاعدہ عالم دین نہیں مگر علماً کی صحبت سے مشرف ہیں۔ اور ان کا ذوق و شوق اسی صحبت کا ثمر ہے۔ انہوں نے کتاب نہایت خلوص سے مرتب کی ہے اور انہی کے بقول مستند کتب سے تمام مواد منتخب کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری (مقیم مدینہ منورہ) اور مفتی مجد القدوس خبیب رومی (مفتی سہارنپور) کی تقاریظ اور مولانا مفتی عبدالستار صاحب (رئیس الافتا جامعہ خیر المدارس) کی رائے شامل کتاب ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مدظلہ، نے اپنی انتہائی مختصر تقریظ میں لکھا ہے۔

"ماشاءاللہ خوب محنت کی ہے۔ اور کام کی باتیں جمع کی ہیں۔ احقر نے جستہ جستہ کتاب دیکھی اور بعض جگہ مشورہ بھی دیا ہے جسے انہوں نے بشاشت سے قبول فرمایا۔"

زیر تبصرہ کتاب میں تاریخ کے باب میں بہت سی رطب و یابس بھی جمع ہو گئی ہیں۔ خصوصاً شہدا کربلا کے باب

میں۔ اسی طرح بعض عناوین غیر فقہ ہیں اور بعض موضوع سے مناسبت نہیں رکھتے۔ کتاب پر مکمل نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ کوئی مستند عالم دین اس کا بالاستیعاب مطالعہ فرما کر تصحیح کردیں تو کتاب کی حیثیت دو چند ہوجائے گی اور زیادہ مفید ثابت ہوگی۔ اتنی ضخیم کتاب پر نقد و جرح کے لئے وقت اور صفحات دونوں وافر چاہئیں جس کا اہتمام فاضل مرتب بااحسن کرسکتے ہیں۔ یہ بات نہایت حوصلہ افزا ہے کہ مرتب موصوف نے اپنے افتتاحیہ میں کتاب کی اصلاح کیلئے مشورہ قبول کرنے کی گنجائش رکھی ہے اور یہ ان کا حسنِ نیت اور اخلاص ہے۔ مجموعی طور پر کتاب مفید ہے اور لائقِ مطالعہ ہے۔

کتاب: "ماہنامہ البنوریہ" کراچی "حضرت جی نمبر"

مدیر اعلیٰ: مفتی محمد نعیم

صفحات: ۳۵۳۔ قیمت ۱۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: جامعہ بنوریہ سائٹ ایریا کراچی ۱۶

عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ خاص اشاعت حضرت مولانا انعام الحسن نوراللہ مرقدہ (جو دینی حلقوں میں حضرت جی کے نام سے معروف تھے) کی سیرت وسوانح اور دینی کارناموں پر مشتمل ہے۔ برصغیر میں تبلیغِ دین اور تجدید و احیاء دین کی تحریک میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی ایک معتبر نام ہے۔ انہوں نے نہایت کس مپرسی اور افلاس میں محض توکل، اخلاصِ نیت اور اشاعت دین کے جذبہ سے سرشار ہو کر تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا۔ جو ایک بستی سے شروع ہو کر آج پورے عالم کی وسعتوں میں پھیل چکا ہے۔ لاکھوں انسانوں کو اس تحریک سے نفع ہوا اور ان کی زندگیوں میں ایک خوشگوار انقلاب آگیا۔ حضرت جی (مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ) اسی تحریک کے ایک پھول تھے۔ ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو اور ان کے عمل میں سنتِ نبوی ﷺ کی جھلک تھی۔ انہوں نے ۱۰ محرم ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۹۵ء کو رحلت فرمائی اور اپنے پیچھے دین کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف لاکھوں انسانوں کو رواں دواں چھوڑ گئے۔ فسبحان اللہ وبحمدہ

ماہنامہ البنوریہ جمادی الثانی ارجب ۱۴۱۶ھ کا شمارہ انہی کی یادوں اور باتوں سے معطر و معمور ہے۔ ۳۵۳ صفحات اور ۴۴ عنوانات پر مشتمل اس خاص اشاعت میں کئی مستند علماء اہل قلم کی نگارشات شامل ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ اور حضرت جی رحمہ اللہ کی دینی محنت، للّٰہیت اور اخلاص کے نقوش ان تحریروں میں مرقم ہیں۔ چار رنگا خوبصورت ٹائٹل، دیدہ زیب کتابت اور بے شمار خوبیوں کو اپنے جلو میں لیے باذوق قارئین کے لئے ایک تابانی دستاویز ہے۔ جو محترم مفتی محمد نعیم صاحب، مولانا محمد اسلم شیخوپوری اور ادارہ البنوریہ کے ارکان کی محنت وخلوص کا حسین مرقع ہے۔ ادارہ البنوریہ "حضرت جی نمبر" کی اشاعت پر بجا طور پر مبارکباد کا مستحق ہے۔ (تبصرہ نگار سید کفیل بخاری)

دنیا نے دیکھ لی ہے ہمارے چلن کی بات

جناب حفیظ رضا پسروری مجلس احرار اسلام کے قدیم کارکن ہیں۔ تحریک آزادی کے قافلہ کی باقیات میں سے ہیں۔ پاکستان کے اوّلین دور میں ممتاز بینکر رہے۔ آجکل لاہور میں گوشہ نشین ہیں مگر وہی جذبات کی روانی، قلم کی جولانی اور فکر کی بلندی آج بھی ہے۔ ۱۹۶۰ء کی ایک شعری نشست میں انہوں نے آغا شورش کاشمیری مرحوم کی فرمائش پر اپنی غزل سنائی، جو انہوں نے ۱۹۵۸ء میں کہی تھی۔ آپ بھی پڑھیئے اور دیکھیئے کہ اُس دور کے کہے ہوئے اشعار آج بھی تروتازہ اور حسبِ حال ہیں (ادارہ)

سب نے سنی یہاں پہ گل و نسترن کی بات
کوئی نہ سن سکا میرے دل کی چبھن کی بات

اک وقت تھا کہ دل میں امنگیں جوان تھیں
اب یاد آرہی ہے اسی بانکپن کی بات

ہم آرزوئے عشق میں پہنچے ہیں عرش پر
دل چاہتا ہے پھر کریں دار و رسن کی بات

جب ہم چلے تو نبضِ زمانہ بھی رک گئی
دنیا نے دیکھ لی ہے ہمارے چلن کی بات

کچھ لوگ اب بھی خسرو پرویز ہیں یہاں
لیکن یہاں پہ ہو گی فقط کوہکن کی بات

سب بیکدے نظر کے اجاڑے گئے
یوں لب پہ آگئی میرے نظم چمن کی بات

☆ ☆

مسافرینِ آخرت

محترم مولانا عبدالقیوم کو صدمہ:

ہمارے بہت ہی کرم فرما محترم مولانا عبدالقیوم (چکوال) کی اہلیہ محترمہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں انتقال کر گئیں۔ مولانا اور ان کے اہل خاندان کے لئے یہ صدمہ جانکاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ تمام پسماندگان کو صبر عطاء فرمائے (آمین)

مولانا عبدالکریم صابر کو صدمہ:

ہفت روزہ "مخلص" ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مدیر اور ہمارے قدیم رفیقِ فکر محترم مولانا عبدالکریم صابر کے جواں سال پوتے کو رمضان المبارک میں کسی شقی القلب نے قتل کر دیا۔

عمر کی آخری منزل میں مولانا کو اس حادثہ سے گہرا زخم لگا ہے۔ جس کا مندمل ہونا بظاہر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیز مقتول کی مغفرت فرمائے اور مولانا سمیت تمام لواحقین کو صبر عطاء فرمائے (آمین)

مولانا عبدالقادر احرار کو صدمہ:

رحیم یار خان سے نقیب ختم نبوت کے قاری محترم مولانا عبدالقادر احرار کے والد ماجد ۲۵ رمضان المبارک کو رحلت فرما گئے۔

محترم سید عبداللہ شاہ ہمدانی مرحوم:

خیر پور ٹامیوالی سے ہمارے کرم فرما اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب کے والد ماجد محترم سید عبداللہ شاہ صاحب ہمدانی ۶ شوال کو اچانک انتقال کر گئے۔ جناب سید محمد عبداللہ شاہ صاحب مرحوم، سید عباس علی شاہ ہمدانی رحمہ اللہ کے برادرِ نسبتی تھے۔

محترم قاری کریم بخش مرحوم:

بہاولپور گھلواں ضلع بہاولپور سے خاندانِ امیر شریعت کے بہت ہی کرم فرما محترم قاری کریم بخش صاحب ۲۹ رمضان المبارک کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ وہ حاجی پیر بخش رحمہ اللہ کے دوسرے فرزند تھے۔ حاجی پیر بخش مرحوم زمیندار ہونے کے باوجود نہایت صالح اور عابد و زاہد مسلمان تھے۔ حضرت امیر شریعت سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ حضرت امیر شریعت جب بھی اس علاقے میں جاتے تو قیام حاجی صاحب مرحوم کے ہاں ہی ہوتا۔ یہ تعلق و محبت آج تک الحمدللہ قائم ہے اور حاجی صاحب مرحوم کے بیٹے اور اہلِ خاندان اسے نبھا رہے ہیں۔ (جزاکم اللہ) قاری صاحب کے انتقال سے ہمیں شدید صدمہ پہنچا

(بقیہ ص ۶۳ پر)

جانشینِ امیرِ شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ

"امروز و فردا"

صُبحِ نشاط، شامِ غریباں ہے آجکل
صحنِ چمن بھی عکسِ بیاباں ہے آجکل
داغِ جگر بھی گنجِ شہیداں ہے آجکل
سرِ اشک خوں بھی شمعِ فروزاں ہے آجکل

دل ہے مثالِ گلبۂ تاریک و پُرزغم
روحِ علیل مسکنِ حرماں ہے آجکل

دردِ فراق، اشکِ تحسّر، فغانِ شب
افسانۂ حیات کا عنواں ہے آجکل
کونین جس کے واسطے تھے وسعتِ زقند
وہ فکرِ قدس طائرِ زنداں ہے آجکل

دینِ نبی ہے ترک شعائر پہ سوگوار
خوں نابہ ریز عظمتِ قرآں ہے آجکل

بہ بارگاہِ شہداءِ ختمِ نبوّت

وہ ایک پرچم رہے، سلامت اس اک لوا سلام پہنچے
حرم کی عزت پہ کٹنے والوں کے نقشِ پا کو سلام پہنچے
عروسِ لالہ بہار پر ہے، بہار کو تہنیت کا ہدیہ
چمن چمن پر درود لازم، صبا صبا کو سلام پہنچے
نفس نفس برکتوں کے مخزن، قدم قدم رحمتوں کے چشمے
ہر ایک حلقہ بگوشِ سردارِ انبیا کو سلام پہنچے
زمینِ لاہور جن کے خوں سے بہشت کو ماند کر چکی ہے
تمام خونیں کفن شہیدانِ باصفا کو سلام پہنچے
کچھ اس ادا سے لڑے مجاہد، خدا کی رحمت کو پیار آیا
بلال رضی اللہ عنہ و بوذر رضی اللہ عنہ کے ہم نشینانِ باوفا کو سلام پہنچے
جو تیغ کی دھار چومتے ہیں، جو کوئے قاتل میں گھومتے ہیں
نثار جس پر قضا کے تیور، اس اک ادا کو سلام پہنچے
چلے چلو دوستو! کبھی تو زمانہ کروٹ ضرور لے گا
خجستہ پا رہروؤں کا ہر اک بے نوا کو سلام پہنچے
وہ ایک کشتی جو قعرِ دریا میں ڈوبتی تھی، پکار اٹھی
بلاکشانِ فریبِ ساحل کا ناخدا کو سلام پہنچے
سلگ رہے ہیں گلاب ولالہ، خطیبِ اعظم کے زمزموں سے
ہمارا اس باوقار و بے باک رہنما کو سلام پہنچے
جہاں بظاہر ہیں استراحت میں، پادشا ہے جہاں پناہ ہے،
اسی فضا میں درود گونجے، اسی فضا کو سلام پہنچے،

● امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

شُہداءِ ختمِ نبوّت

بیاد

محمد عارف سجاد، لاہور

اُفق پہ خونِ شہیداں کی سرخیٔ تاباں[1]
کہ جبر و غم کے کئی راز جس میں ہیں پنہاں
میں دیکھتا ہوں ترپن ۵۳ کی یاد آتی ہے
نہ سمجھو وقت مگر انتقام لیتا ہے،
شہید قاتل و ظالم کا نام لیتا ہے
نہ اقتدار پہ "اعظم"[2] نہ "دولت"[3] ہے
"ملک"[4] رہا ہے کوئی، نہ کوئی "ٹوانہ" ہے
یہ وقت انہیں ڈھونڈتا ہے گھر گھر میں
بُلا رہا ہے انہیں کارگاہِ محشر میں،
چھپاؤ لاکھ مگر؟ خون چھپ نہیں سکتا!
وُہ رات ہو کہ سحر؟ خون چھپ نہیں سکتا!
وُہ خون جو کہ بہا "عصمتِ نبی" کے لئے؟
وُہ انتقام مگر ان سے لے کے چھوڑے گا
کوئی بھی وقت سے اِن کو بچا نہیں سکتا

(۱) شہدائے ختم نبوت ۱۹۵۳ء (۲) جلادِ اعظم جنرل اعظم خاں آنجہانی (۳) میاں ممتاز دولتانہ (۴) ملک فیروز خان نون

اکرام الحق سرشار

شہدائے ناموسِ حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

(بہ سلسلہ تحریکِ مقدس تحفظِ ختمِ نبوۃ — ۶ مارچ ۵۳ء۔ لاہور)

یاد ہم تم کو شہیدانِ نبی کرتے ہیں ! — ناز ہم تم پہ عزیزانِ نبی کرتے ہیں

بے گماں خونِ شہیدانِ نبی کے چھینٹے — چشمِ عالم میں فزوں شانِ نبی کرتے ہیں

سر بکف کفر کے باطل کے مقابل ہونگے — عہد و پیمان ثنا خوانِ نبی کرتے ہیں

اپنے نزدیک تو ہیں قابلِ شمشیر و سناں — جو بھی توہینِ رفیقانِ نبی کرتے ہیں

اے بخاری! تیری عظمت، تیری نیت کی قسم — عہد تقلیدِ شہیدانِ نبی کرتے ہیں

مشکبو کرتے ہیں کانٹوں کو اگر ہم تو فقط — بہرِ تزئینِ گلستانِ نبی کرتے ہیں

کسی کذاب و مفتن نے اگر دعویٰ کیا ! — جان قربان غلامانِ نبی کرتے ہیں

کارواں سیدِ یثرب کا چلے گا ہر سُو
یہ صدا آج حدی خوانِ نبی کرتے ہیں !

استاد جی نے سب کو مرغا بنا کے چھوڑا

جُوا میں تُو نے سب کچھ اپنا لٹا کے چھوڑا
اس ہیروئن نے مجھ کو کنگلا بنا کے چھوڑا
بازار میں بھی آکر رفتار کم نہیں ہے
"جو زد پہ تیری آیا اس کو گرا کے چھوڑا"
اپنا اگرچہ سب کچھ برباد ہو گیا ہے
"گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا"
بھولے سے بھی کسی سے وہ درگذر نہ کرتے
استاد جی نے سب کو مرغا بنا کے چھوڑا
"اک دسترس سے تیری خالی بچا ہوا تھا"
اس کو بھی بازوؤں کے گھیرے میں لا کے چھوڑا
مغرب کی انجمن کا دستور ہے پرانا
جامِ شراب اس نے سب کو پلا کے چھوڑا
مسجد سے دُور گھر میں بیمار سو رہا تھا
مُلّا کی چپقلش نے اس کو جگا کے چھوڑا
ہر دور میں حکومت اپنی رہی ہے تائب
جس نے بھی سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا

(پروفیسر محمد اکرام تائب)

☆☆

(بقیہ از ۵۷)

ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے (آمین)

اراکینِ ادارہ سب مرحومین کے لئے دعاءِ مغفرت کرتے ہیں، تمام پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اظہارِ تعزیت کرتے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی نمازوں میں تمام مرحومین کی مغفرت کے لئے دعاء اور ایصالِ ثواب کا خاص اہتمام فرمائیں (آمین)

☆ ☆

(بقیہ از صـ۵۱)

ہمیشہ اپنے لئے نئی نئی راہیں نکالنے اور نت نئی معلومات فراہم کرنے اور اپنے جوہر خفتہ کو بیدار کرنے میں نہیں کتراتا۔ اس طرح سے خود کو حالات کے شکنجوں سے بلاشبہ آزاد کرتا جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے لئے کوئی صبح اس کے لئے کامیابی و کامرانی کا پروانہ لے کر نمودار ہوتی ہے۔ تعلیم و تعلم کی روشنی علم و عمل سے روشناس کردیتی ہے اور اثر و رسوخ، نیک نامی اور شادکامی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

پس ہمیں چاہیئے کہ شب و روز اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق کے طلب گار ہوں، اپنے بال و پر میں بلند پروازی کے جوہر پیدا کریں اور اپنے دل و دماغ اور رگ و پے میں یہ یقین جاگزیں کرلیں کہ

مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حدِ پرواز سے

☆ ☆

احرار ختم نبوت سنٹر کی تعمیر

جدید مرکز احرار دارالعلوم ختم نبوت اور احرار ختم نبوت سنٹر مقابل مرکزی مسجد عثمانیہ، معاویہ چوک، ھاؤسنگ سکیم چیچا وطنی۔ کی تعمیر کا کام جاری ہے ضلع ساہیوال بالخصوص علاقہ چیچا وطنی کے ساتھی خصوصی توجہ فرمائیں۔

رابطہ:۔

دفتر احرار جامع مسجد بلاک نمبر۱۲ چیچا وطنی۔

انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ
فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی سوزش
کے لیے مفید
صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ اب فوری حل ہونے والے
انسٹنٹ جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
خاندان کے ہر فرد کے لیے مفید جوہر جوشاندہ فلو، نزلہ،
زکام کی علامات میں آرام پہنچاتا ہے۔
موسمی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے جوہر جوشاندہ
احتیاطی تدبیر کے طور پر استعمال کریں۔
ترکیب استعمال: ایک کپ گرم پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں اور جوشاندہ تیار
دن میں دو یا تین پیکٹ جوہر جوشاندہ استعمال کریں۔
جوہر جوشاندہ
JOHAR
JOSHANDA
تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

Kinza

SQUASHES (1 Litre)
KETCHUP (1 Litre)
VINEGARS (1 Litre)

"Sharing the taste"

Quality and Economy Guaranteed

wily FOODS (PVT) LTD.
Chand Plaza, off lane 6, Peshawar Road, Rawalpindi Cantt
Phone: 862076

توحید و ختم نبوت کے علمبردارو! ایک ہو جاؤ!

زیر اہتمام: تحریک تحفظ ختم نبوت، قائم شدہ: ۱۹۳۴ء، قادیان

بانی: رئیس الاحرار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

اٹھارویں سالانہ دو روزہ

شہداءِ ختم نبوت کانفرنس

جامع مسجد احرار ربوہ

۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۹۶ء بروز جمعرات، جمعہ

زیر سرپرستی:

شیخ المشائخ حضرت مولانا **خواجہ خان محمد** صاحب مدظلہ

زیر صدارت:

قائد تحریک تحفظ ختم نبوت

ابنِ امیر شریعت **سید عطاء المحسن بخاری** مدظلہ

★ ۲۱ مارچ بروز جمعرات بعد از مغرب۔ مجلسِ مذاکرہ ★ ۲۲ مارچ بعد نماز فجر، درسِ قرآن کریم

★ قبل از نماز جمعہ تا عصر۔ علماء، طلباء، وکلاء اور دانشوروں کے بیانات

تحریک تحفظ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرار اسلام پاکستان

رابطہ فون: ربوہ ۲۱۱۵۲۳، ملتان ۵۱۱۹۶۱

لاہور ۵۷۶۲۹۵۴، ۷۵۶۰۴۵۰، چیچہ وطنی ۶۱۰۹۵۳ - ۶۱۱۶۵۷